Phone - 80800

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

جون 1964

معاشرہ میں امن قائم رکھنے کا طریق

نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ کچھ لوگ سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہوئے۔ ان میں سے کچھ اوپر کے حصے میں پہنچ گئے۔ کچھ نیچے کے حصے میں۔ جو نچلے حصے میں آئے وہ پانی لینے کے لئے اوپر گئے۔ اوپر والوں نے انہیں یہ کہکر پانی لینے سے روک دیا کہ اس سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ نیچے والوں نے کہا بہت اچھا۔ ہم نیچے سوراخ کر کے پانی حاصل کر لینگے۔ اب اگر ان نیچے والوں کو اس سے روکا نہ جائے تو ظاہر ہے کہ اوپر اور نیچے والے سب غرق ہو جائینگے۔ اگر روک دیا تو سب بچ جائینگے۔

(ترمذی ۔ جلد دوم ۔ ابواب فتن)

شائع کردہ:

ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵۔ بی گلبرگ لاہور

قیمت ایک روپیہ

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر!

★

ماہنامہ طلوع اسلام لاہور

بدل اشتراک
پاک ہند سے سالانہ ——— دس روپے
غیر ممالک سے سالانہ ——— ایک پونڈ

قیمت فی پرچہ
پاک ہند سے
ایک روپیہ

ٹیلیفون نمبر (۸۰۰ ۸۰)
★ خط و کتابت کا پتہ ★
ناظم طلوع اسلام ۲۵ بی گلبرگ لاہور۔

جلد نمبر ۱۷ — جون سنہ ۱۹۶۴ء — شمارہ نمبر ۶

فہرست مضامین

۱۔ لمعات ——— ۲
۲۔ حقائق و عبر۔ ۱۔ کارِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد ——— ۱۲
۲۔ وقت کے تقاضوں کے مطابق تبدیلی
۳۔ بڑی عبرت کی بات
۳۔ ملت اسلامیہ کا مقنن اعظم ——— امام ابو حنیفہؒ ——— ۱۷
۴۔ رابطہ باہمی ——— ۲۸
۵۔ کیا مضاربت اور مزارعت بھی سود نہیں؟ ——— (چوہدری محمد اسمٰعیل) ——— ۳۳
۶۔ اقبال بحیثیت شاعر انقلاب ——— (ڈاکٹر جاوید اقبال) ——— ۴۱
۷۔ روایات کا قرآن (علامہ احمد السیفی مصری) (ترجمہ سید نصیر شاہ صاحب) ——— ۴۹
۸۔ بچوں کا صفحہ ——— ۷۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

محترم صدر مملکت پاکستان (فیلڈ مارشل محمد ایوب خان) نے اس مرتبہ اپنے کراچی کے قیام کے دوران ایک ایسی نئی طرح ڈالی ہے جسے اگر فکر و نظر کی سنجیدگی کے ساتھ جاری رکھا گیا تو وہ قوم کے لئے خوشگوار تعمیری نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔ انہوں نے کراچی کے اہل علم و فکر طبقہ کو اپنے ہاں جمع کیا اور ایک مختصری نشست مجلس میں ان سے تبادلۂ خیالات کیا۔ اس سلسلہ میں خود صدر محترم نے جو کچھ کہا وہ پورے ملک کے ہوشمند طبقہ کے لئے غور و فکر کا کافی سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت ہماری قوم جن مشکلات سے دوچار ہے ان میں خارجی حفاظت، بے تحاشا افزائشِ نسل اور تاریخی فکر و نظر کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے کہا کہ

> لوگ فرسودہ خیالات سے چمٹے اور پامال راستوں پر آنکھیں بند کر کے چلتے رہنے کے عادی ہو چکے ہیں اور ہر تبدیلی کو شک و شبہات اور بدظنی کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ یہ سب اس لئے کہ "جیسا ہوتا چلا آرہا ہے ویسا کرتے چلے جانے" میں بڑی تن آسانی اور سہل انگاری ہوتی ہے اور ان راستوں سے ہٹ کر نئی راہیں تلاش کرنے میں بڑی مشقت درکار۔ لیکن اگر ہمیں ترقی کرنی ہے تو ہمیں فرسودہ اور پامال راستوں کو چھوڑنا ہوگا۔ اگر ہم نے ان خیالات کو نہ چھوڑا جن سے ہم محض اس لئے چمٹے ہوئے ہیں کہ وہ صدیوں سے متوارث چلے آرہے ہیں تو ہم کبھی اس رفتار سے ترقی نہیں کر سکیں گے جس رفتار سے ہمیں ترقی کرنی چاہیئے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے ہاں دنیائے فکر میں زیادہ سے زیادہ "باغی اور ملحد" پیدا ہوں۔ (پاکستان ٹائمز ۱۳ مئی سنہ ۱۹۶۴ء)

ان کے اپنے متعلقہ الفاظ (جن کا رواں ترجمہ اوپر دیا گیا ہے) یہ ہیں۔

> People tended to be conformists and traditionalists and to view all change with suspicion. If we wish to progress we shall have to be non-conformists....... I should like to see some more heretics in the realm of thought.

بادنیٰ تعمق نظر آجائے گا کہ ان چند مختصر سے الفاظ میں ایک عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ زندگی نام ہے حرکت اور روانی کا۔ جہاں جمود طاری ہوا زندگی ختم ہو گئی۔ ارتقاء فطرت کا اٹل قانون ہے اور ارتقاء کے لئے جہد مسلسل اور سعی پیہم ناگزیر ہے۔ طبعی کائنات ہو یا انسان کی دنیائے فکر و نظر۔ افراد کی زندگی ہو یا اقوام کی۔ اصول ہر جگہ یہی کارفرما نظر آئے گا کہ زندہ وہی رہتا ہے جس میں حرکت اور تغیر ہو۔ آگے وہی بڑھتا ہے جو چلتا ہے۔ سکوت اور موت مرادف ہیں۔ قرآن کے الفاظ میں "بیٹھا رہنے والا چلنے والے کے برابر نہیں ہو سکتا۔" انسان، جو غاروں سے نکل کر کہکشاں پر کمندیں ڈالنے کے قابل ہوا ہے تو اس لئے کہ اس نے حرکت پیہم کو اپنا شعار زندگی بنایا۔ جن قوموں نے ایسا نہیں کیا وہ ابھی تک بدستور غاروں میں زندگی بسر کر رہی ہیں۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ حرکت پیہم، مشقت اور کاوش چاہتی ہے۔ اس لئے سہولت پسند اور سہل انگار طبقہ نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی ہے۔ (قرآن کریم اس طبقہ کو مترفین کہہ کر پکارتا ہے) لیکن چونکہ سہل انگاری اور سہولت پسندی کوئی اچھی صفات نہیں سمجھی جاتیں اس لئے یہ طبقہ اپنی اس روش کو "اتباع سلف" کے مقدس نقاب میں چھپا کر مذموم کو مستحسن قرار دینے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ آپ قرآن کریم کے اوراق پر نگاہ ڈالئے ان میں آپ کو شروع سے آخر تک اسی کشمکش کی مسلسل داستان نظر آئے گی۔ آپ دیکھیں گے کہ حضرت نوحؑ سے لے کر نبی اکرمؐ تک ہر رسول نے ایک انقلابی دعوت پیش کی لیکن مذہبی پیشوائیت نے ہر مقام اور ہر زمانہ میں یہ کہہ کر اس دعوت کی مخالفت کی کہ ما سمعنا بھذا فی آبائنا الاولین ——— (۲۳/۲۴) جو کچھ تم کہتے ہو ہمارے اسلاف نے ایسا نہیں کہا۔ اس لئے ہم اسے ماننے کے لئے تیار نہیں۔ جس روش پر ہم چل رہے ہیں اس کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وجدنا آباءنا کذالک یفعلون (۲۶/۷۴)۔ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو اسی روش پر چلتے دیکھا ہے۔ وحسبنا ما وجدنا علیہ آباءنا۔ (۵/۱۰۴) اور ہمارے لئے انہی کی روش کافی ہے۔ ہم کسی نئی بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس کشمکش کی پوری داستان کو ان چند الفاظ میں سمٹا کر رکھ دیا ہے کہ

وکذالک ما ارسلنا من قبلک فی قریۃ من نذیر الا قال مترفوھا۔ انا وجدنا آباءنا علی

امتہ وانا علیٰ آثارہم مہتدون۔ (۴۳/۲۲)۔

اور اس طرح (اے رسول!) ہم نے تجھ سے پہلے کسی بستی میں کوئی نذیر نہیں بھیجا مگر وہاں کے سہل انگار طبقہ (مترفین) نے کہا کہ ہم نے اپنے اسلاف کو ایک طریقہ پر چلتے دیکھا ہے اور ہم انہیں کے نقوشِ قدم پر چلتے جائیں گے۔

چنانچہ قرآن کریم کی اس دعوتِ انقلاب کو قبول اور عملاً اختیار کر لینے کا نتیجہ تھا کہ عربوں جیسی پسماندہ قوم چند سال کے عرصے میں، امامتِ اقوامِ عالم کے منصب جلیلہ پر سرفراز ہو گئی۔ ان عربوں میں اور ایران اور روم کی عظیم سلطنتوں کی مالک اقوام میں کیا فرق تھا؟ یہی کہ وہ قومیں اپنے فرسودہ خیالات۔ اسلاف پرستی کے پامال راستوں اور رسوم کہن کی مقدس لاشوں کے ساتھ چمٹی ہوئی تھیں اور ان عربوں (جماعت مومنین) نے حرکت اور حرارت میں زندگی کا راز پا لیا تھا۔

لیکن کچھ عرصے کے بعد جب ان میں مذہبی پیشوائیت آ گئی تو ان کے ہاں بھی ہر جدت حرام قرار پا گئی اور "اتباعِ سلف" شرف انسانیت کی معراج سمجھ لی گئی۔ اس سے ان پر بھی وہی جمود اور تعطل طاری ہو گیا جو ان سے پہلے سینکڑوں قوموں کو قبرستانوں میں لے جا چکا تھا۔ اب سوچئے کہ جس قوم کا ماٹو (Motto) یہ ہو کہ کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار (ہر نئی چیز گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے کا موجب) اس قوم میں حرکت اور حرارت کہاں باقی رہ سکتی ہے۔ نتیجہ اس کا یہ کہ اس قرآن کا علم لینے والی قوم جس نے "کل یوم ہو فی شان" کی تعلیم دی تھی ایک ممی شدہ لاش بن کر رہ گئی جس کے خط و خال تو وہی رہتے ہیں لیکن جس میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں ہوتی۔

اس موت آفریں جمود اور تعطل کے خلاف ہندوستان کے برصغیر میں سب سے پہلے سر سیدؒ نے آواز بلند کی اور اس کے بعد اقبالؒ نے اسے اپنے حیات بخش پیغام کے صور اسرافیلی سے ملک کے گوشے گوشے میں عام کیا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ یاد رکھو۔

جو عالمِ ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد — ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ
تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو — کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ

اس جمود کی برفانی سلوں کو توڑنے کے لئے اس نے اس انداز کی ضربِ کلیمی سے بھی کام لیا کہ

ہر کہ او را لذتِ تخلیق نیست — نزدِ ما جز کافر و زندیق نیست

یہاں تک کہ

گر از دستِ تو کارے نادر آید — گناہے ہم اگر باشد ثواب است

اقبالؒ نے عمر بھر اس پیغام کو عام کیا اور اس پیغام کو عملاً متشکل کرنے کے لئے سرزمین پاکستان کا مطالبہ پیش کیا۔ حصولِ پاکستان کے بعد اس کی اُمید بندھ چلی تھی کہ قوم کو مذہبی پیشوائیت کی ان زنجیروں سے رستگاری حاصل ہو جائے گی اور ندرتِ فکر و عمل سے اسے بھی زندہ قوموں کی صف میں جگہ مل جائے گی۔ لیکن افسوس کہ جہاں بیشتر دیگر مقاصد بلند جن کی خاطر پاکستان حاصل کیا گیا تھا رفتہ رفتہ نگاہوں سے اوجھل ہونے لگے یہ حقیقت بھی خواب پریشان بن کر رہ گئی کہ جب تک قوم ان اغلال و سلاسل سے آزادی حاصل نہیں کرتی جن میں قدامت پرستی نے اسے بُری طرح جکڑ رکھا ہے۔ یہ ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتی۔ حتّٰی کہ (آہستہ آہستہ) اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ قدامت پرستی جس قوت و شدت سے قوم کے اعصاب پر اس وقت مسلط ہے تشکیل پاکستان سے پہلے ایسی حالت کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت کیفیت یہ ہے کہ قوم کا صاحب فکر و علم طبقہ (Intelligentsia) جسے صاحب صدر نے مخاطب کیا ہے، اس کی حالت یہ ہے کہ وہ خلوت کی ہر محفل میں مذہبی پیشوائیت کی شدت سے مخالفت کرتا ہے لیکن پبلک میں ایک لفظ ان کے خلاف کہنے کی جرأت نہیں کرتا۔ یہی کیفیت خود ہمارے ارباب بست و کشاد کی ہے۔ تنہائی میں ان سے باتیں کیجئے تو وہ قدامت پرستی کے سخت مخالف ہوں گے لیکن جلوت میں دیکھئے تو وہ نہ صرف ان حضرات کی محفلوں میں شریک بلکہ ان کی حمد و ستائش میں رطب اللسان۔ ہمارے پریس پر ان حضرات کا کس قدر غلبہ ہے اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگ سکتا ہے کہ صدر مملکت کے زیر تبصرہ ارشادات، پاکستان ٹائمز میں تو شائع ہو گئے ہیں لیکن (جہاں تک ہمارے علم میں ہے) کم از کم لاہور کے کسی اردو اخبار میں ان کا ذکر تک نہیں آیا۔ اب آپ سوچئے کہ جہاں خود صدر مملکت کے ان خیالات کی اشاعت کے سلسلے میں پریس کا یہ رویہ ہو وہاں عام ارباب فکر و نظر کی طرف سے اس قسم کے خیالات کی اشاعت کیسے ممکن ہے۔ چنانچہ ہمارے ملک کی اس وقت حالت یہ ہے کہ قدامت پرستی کی ہر ادا فضا میں آسمانی آواز کی طرح پھیل جاتی ہے لیکن حریتِ فکر و نظر کی ہلکی سے ہلکی آواز کا بھی گلا گھونٹ دیا جاتا ہے اور سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ یہ اس لئے نہیں کہ یہ لوگ حریت فکر و نظر کے فی الواقعہ مخالف اور قدامت پرستی کے دل سے مؤید ہیں۔ بالکل نہیں۔ دل سے ان کی کیفیت اس کے بالکل برعکس ہے لیکن قدامت پرستی کے شور و غوغا نے انہیں اس قدر مرعوب بلکہ خائف کر رکھا ہے کہ یہ اپنے دل کی بات بھی زبان تک لانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

ہم صدر محترم کی خدمت میں باادب گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے قوم میں زندگی اور قوت پیدا کرنے کے لئے جو نسخہ تجویز کیا ہے اس کی افادیت میں قطعاً کلام نہیں لیکن جب تک ملک کی یہی حالت

میں تبدیلی نہیں پیدا کی جاتی اس وقت تک اس نسخہ پر عمل ہو نہیں سکتا۔ ملک میں جدتِ افکار کے لئے سازگار فضا پیدا کیجئے اور پھر دیکھئے کہ جس قسم کے (Heretics) کی آپ کو تلاش ہے، وہ کتنی کثیر تعداد میں ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ہم اتنی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ مسلمان کی آزادیٔ افکار کا تصور دوسروں کی آزادی سے مختلف ہے۔ دوسروں کے ہاں آزادیٔ افکار سے مراد ہر قسم کی پابندی سے آزادی ہے۔ اس قسم کی آزادیٔ افکار کو اقبالؒ "ابلیس کی ایجاد" کہہ کر پکارتا ہے۔ مسلمان کی آزادی، قوانینِ خداوندی (قرآن کریم) کی چاردیواری کے اندر گھری ہوئی رہتی ہے۔ اس کی آزادی اور پابندی — کفر بالطاغوت اور ایمان باللہ — سے متعین ہوتی ہے۔ مسلمان اپنے فکر و عمل میں احکامِ خداوندی کا پابند ہوتا ہے۔ اور ہر غیر خداوندی پابندی سے آزاد۔ ہم قدامت پرستی کی مخالفت اس لئے کرتے ہیں کہ اس نے مسلمان کو غیر خداوندی اغلال و سلاسل کی پابندیوں میں جکڑ رکھا ہے۔ اسے ان زنجیروں سے چھڑا کر، قوانینِ خداوندی کی حدود کے اندر رکھنا — یہ ہے ہماری دعوت اور اس قسم کے ہیں وہ (Heretics) جنہیں ہم پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں، صدرِ محترم کا منشا و مقصود بھی اسی قسم کے (Heretics) پیدا کرنا ہے۔ انہی سے قوم کو زندگی اور اسلام کو سرفرازی حاصل ہوگی۔

---

(۲) مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کی تحریکیں

ملتِ اسلامیہ صدیوں سے جس افتراق و انتشار میں مبتلا چلی آرہی ہے اس کی داستانِ غم ہماری ہر مجلس میں دہرائی جاتی ہے۔ ہر اسٹیج سے اس کا رونا رویا جاتا ہے۔ ہر منبر و محراب سے اس پر غم کے آنسو بہائے جاتے ہیں۔ معاملہ اسی رونے دھونے پر ختم نہیں ہوتا بلکہ اس افتراق و انتشار کو وحدت و اخوت اور اتحاد و ائتلاف میں بدلنے کے لئے ہمارے ہاں کئی تجاویز سوچی جاتی ہیں۔ کئی اقدامات بروئے کار لائے جا چکے ہیں۔ کئی تحریکیں اتحادِ ملت کی دعوت لے کر میدان میں آچکی ہیں۔ آج بھی اخبارات میں اس قسم کی کوششوں کا چرچا سنائی دے گا۔ پاکستان میں اسلامی بلاک، اسلامی دولتِ مشترکہ، تحریک محبانِ اتحادِ عالمِ اسلامی کے قیام کے نعرے۔ سعودی عرب میں اسلامی رابطہ کونسل کی تشکیل، مصر کی جمعیت اتحاد اسلامی سب اسی سلسلہ دراز کی مختلف کڑیاں ہیں اور اگر عہدِ رفتہ کا جائزہ لیجئے تو نظر آجائے گا کہ مسلمانانِ عالم کے اتحاد یہ کوششیں اپنے مقصود و منتہا کے اعتبار سے کوئی نئی دعوت نہیں۔ اس سے قبل علامہ جمال الدین

افغانی کی پان اسلام ازم کی تحریک، متحدہ ہندوستان کی تحریکِ خلافت، قاہرہ میں مؤتمر خلافت کا بین الملی انعقاد سبھی اپنی محرکات کے آئینہ دار بن کر منظر عام پر آئے تھے۔

کسی شخص کو بھی اس سے مجال انکار نہیں کہ یہ مقاصد بڑے نیک اور قابلِ قدر ہیں اور جو لوگ مختلف اوقات میں ان مقاصد کو لے کر اٹھے یا آج ان کی بجا آوری کے لئے کوشاں نظر آتے ہیں، ان کے خلوص اور حسنِ نیت پر بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن واقعات شہادت دیں گے کہ یہ کوششیں پہلے بھی صوائے نامرادی میں دم توڑتی رہیں اور اب بھی ان سے حقیقی منشاء کی بجا آوری ممکن نہیں۔ مسلمانوں کے اتحاد اور وحدت واخوت کی یہ مساعی بڑی مقدس اور پاکیزہ آرزوں کی مظہر سہی لیکن جب تک اس معاملے میں بنیادی حقائق اور اساسی نکات سامنے نہیں لائے جائیں گے ان مقدس آرزوں کے محسوس ومشہود نتائج کبھی مرتب نہیں ہو سکیں گے۔ آیئے آج اس بنیادی حقیقت پر سنجیدگی اور حقیقت پسندی سے غور کریں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ باہمی اتحاد واشتراک کے کئی سلسلے ہمارے سامنے موجود ہیں اور کامیابی سے اپنے پیش نظر مقاصد کو پورا کر رہے ہیں۔ برطانوی دولت مشترکہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اس دولتِ مشترکہ میں پاکستان، ہندوستان، کینیڈا، آسٹریلیا، لنکا، برما جیسے کئی ملک تاج برطانیہ سے اپنا رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ اور تاج برطانیہ سے دوستی اور وفاداری اس کے لئے بنائے اشتراک قرار پا چکی ہے۔ کیمونسٹ ممالک میں بھی باہمی اتحاد کا ایک رشتہ قائم ہے اور کیمونزم اس کے لئے وجہ اشتراک۔ افریقہ کے حبشی ممالک بھی باہمی اتحاد کی تحریک کو کامیابی سے آگے بڑھا رہے ہیں اور رنگ ونسل کی یکسانیت ان کے اس رابطہ باہمی کی مشترک اساس ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم جو دنیا کے مختلف ممالک میں بسنے والے مسلمانوں اور ان مسلمانوں کی مختلف سلطنتوں کے باہمی اتحاد اور وحدت واخوت کا نعرہ بلند کر رہے ہیں۔ اور اس کے لئے آئے دن جو نئی تحریکیں بروئے کار آ رہی ہیں ہن باہمی اتحاد کے لئے بنائے اشتراک کیا ہے۔ کہا جائے گا کہ مسلمانوں کے اتحاد کے لئے ان کے اس دعوے سے بڑھ کر اور وجہ اشتراک کون سی ہو سکتی ہے کہ وہ سب مسلمان ہیں۔ ان کا خدا ایک ہے ان کا رسول ایک ہے۔ ان کا کعبہ ایک ہے۔ ان کا قرآن ایک ہے۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے اور کون سی بنیاد ہو سکتی ہے جس کی ضرورت محسوس ہو۔ یہ جواب بظاہر بڑا دلکش اور معقول نظر آئے گا لیکن اے کاش! اس جواب کی تائید حقائق کی رو سے بھی ہو سکتی۔ حقائق تو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ان دعاوی کے باوجود مسلمانوں میں اتحاد نہیں۔ دیگر حقائق تو ایک طرف مختلف زمانوں میں مختلف مقامات سے اٹھنے والی تحریکیں اس حقیقت کی آپ شہادت ہیں کہ ان دعاوی کے باوجود مسلمانوں میں وحدت موجود نہیں۔

بات اس حد تک یقیناً درست ہے کہ حضور نبی اکرمؐ اور خلافتِ راشدہ کے دور میں یوں بھی مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ وہ مسلمان ہیں انہیں ایک سیسہ پلائی دیوار (بنیان مرصوص) کی صورت دئے ہوئے تھا۔ ان کی صفوں میں اس دعوے کی بنا پر واقعی وحدت واخوت کی ہم آہنگی اور یک رنگی بصد انداز یکتائی موجود تھی۔ واقعی ان کے دلوں میں اتحاد و ائتلاف کی نہر سلسبیل دوڑ رہی تھی لیکن قرن اوّل کی مختصر سی مدت کے بعد اتحاد و اخوت کی یہ جنت، افتراق و انتشار کے شعلوں کی زد میں آئی اور آج تک یہ شعلے سرد نہیں پڑے (ایسا کیوں ہوا اور مسلمان کونسی شے کھو بیٹھے اس کی تفصیل ذرا آگے چل کر سامنے آئے گی)۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت جلد مسلمان اس اخوت کو کھو بیٹھے۔ وہ بدستور مسلمان کہلاتے رہے۔ وہ اپنے اس دعوے کو بھی بہ شدومد دھراتے رہے کہ ہمارا خدا ایک رسول ایک۔ کعبہ ایک۔ قرآن ایک ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان میں باہمی عداوت بڑھتی گئی اور ان کے یہ دعاوی اس عداوت کو اخوت میں نہ بدل سکے۔

خود عربوں کو لیجئے۔ قرآن نے الاعراب اشد کفرو نفاقا کے الفاظ میں ان کے دورِ جاہلیت کی ایک تصویر پیش کی تھی۔ ان عربوں کو جو اسلام سے قبل کفر و نفاق کی شدت میں مبتلا اور ایک دوسرے سے برسرِ جنگ چلے آتے تھے حضورؐ نے اخوت اور اتحاد کی وہ نعمت عطا کی جس کی مثال تاریخ میں موجود نہیں۔ لیکن اس امرواقعہ سے کون انکار کرسکتا ہے کہ جلد ہی یہ عرب دورِ جاہلیت کی روایات کہن کی طرف پھر لوٹ گئے۔ اور مسلمان کہلانے کے باوجود مدتوں سے ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما چلے آرہے ہیں صاف ظاہر ہے کہ ان کا مسلمان ہونے کا دعویٰ اب ان کے اتحاد کے لئے وجہ اشتراک نہیں بن سکا۔ ان کی عصبیت جاہلہ پھر عود کر آئی اور اس شدت سے اُبھری کہ آج انہیں عرب نیشنلزم کا نعرہ ہر شے سے عزیز تر ہے۔

اور آگے بڑھئے! حج کا سالانہ اور عالمگیر اجتماع دنیا بھر کے مسلمانوں کے اتحاد و ائتلاف کی سب سے بڑی دعوت تھا۔ وہاں ہر سال دنیا کے گوشے گوشے سے لاکھوں مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ وہاں سب کا لباس ایک ہوتا ہے۔ سب کا خدا، رسول، کعبہ اور قرآن ایک ہوتا ہے۔ حج کے تمام مناسک یکساں طور پہ ادا کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ ایک ہونے کے باوجود ان کے دلوں کو ٹٹول کر دیکھئے اور خدا لگتی کہئے کہ کیا ان کے دل بھی ایک ہوتے ہیں؟ کیا مصری، ہندی، ایرانی، افریقی اور شیعہ سنی، وہابی، دیوبندی بریلوی ہونے کی حیثیت سے ان کا باہمی اختلاف عرفات کے میدان اور طواف کعبہ تک کی مقدس رسوم میں نمایاں طور پہ واضح نہیں ہوتا؟ آخر کیوں؟ یہ سب "مسلمان" ہوتے ہیں لیکن صاف ظاہر ہے کہ ان کا یہ مسلمانی کا دعویٰ اس عالمگیر اجتماع میں بھی انہیں ایک دوسرے کے بھائیوں کی حقیقی صورت

عطا نہیں کرتا۔

اس صورتِ حال سے ہٹ کر خود اپنی حیاتِ ملی اور پاکستان کی طرف آیئے۔ اس میں شک نہیں کہ حصولِ پاکستان کی تحریک نے کچھ مدت کے لئے اس برصغیر کے مسلمانوں میں ایک وحدت سی پیدا کر دی تھی۔ وہ ایک قائد کے گرد ہنگامی طور پر جمع ضرور ہو گئے تھے لیکن صاف ظاہر ہے کہ یہاں وجۂ اشتراک ایک جداگانہ مملکت کا حصول تھا اور جونہی یہ مملکت حاصل ہو گئی وہ پھر صوبائی و نسلی عصبیتوں کی طرف لوٹ گئے۔ صوبائی اور نسلی تعصبات کی بیخ کنی کے لئے وحدتِ مغربی پاکستان کی تشکیل عمل میں لائی گئی۔ لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ پٹھان۔ پنجابی۔ سندھی بلوچی اور بنگالی کے تعصبات اس زور و شور سے اُبھر آئے گویا خاکستر میں دبی ہوئی چنگاریاں تند و تیز شعلوں کی صورت میں بھڑک اٹھیں۔ یہ صورتِ حال بتا رہی ہے کہ ایک جداگانہ مملکت کا حصول تو کروڑوں مسلمانوں میں وجہ اشتراک بن گیا لیکن خود ان کا مسلمان ہونے کا دعویٰ انہیں متحد نہ کر سکا۔ اور جوں ہی وہ پہلی وجہ اشتراک ختم ہوئی، دینِ خداوندی پر ایمان رکھنے کے یہ مدعی پھر آپس میں دست بگریباں ہو گئے۔

یہ ہے وہ حقیقتِ حال جس سے دنیا بھر کے مسلمان دو چار ہیں اور آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے دو چار ہیں۔ خود ہمارے اپنے گھر کی کیفیت بھی سب کے سامنے ہے۔ اس کیفیت کی موجودگی میں جب ہم اسلامی بلاک یا اسلامی دولتِ مشترکہ کے قیام کا نعرہ بلند کرتے ہیں تو ہمیں قانونِ فطرت کی اس آواز سے کان بند نہیں کرنے چاہئیں جو پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ

تو درونِ در چہ کردی کہ برونِ خانہ آئی

ہمارے اپنے گھر میں کروڑوں مسلمان سندھی، بنگالی، پنجابی اور پٹھان ہونے کی بنا پر ایک دوسرے سے الگ دکھائی دے رہے ہیں۔ ان کے مسلمان ہونے کا دعویٰ ان میں اخوت و اتحاد کی حقیقی صورت پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہا لیکن ہمارے دل میں یہ ولولہ موجزن ہو رہا ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو یکجا کر کے ایک اسلامی دولتِ مشترکہ کا قیام عمل میں لائیں یا ایک اسلامی بلاک کو تشکیل دیں جو مسلمانانِ عالم کی نمائندگی اور قیادت کا فریضہ سر انجام دے۔ ہم ایک بار پھر عرض کریں گے کہ مقصد بڑا نیک ہے اور جو لوگ اس مقصد کے داعی ہیں ان کی نیت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ لیکن مقصد کا نیک ہونا اور نیتوں کا خلوص تو کامیابی کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اس کے لئے سوچنا پڑے گا کہ کہیں بنیاد میں ہی تو کوئی خرابی موجود نہیں!

یہی وہ تلخ حقیقت ہے جس کے اظہار کے لئے ہم نے یہ تمہید باندھی ہے اور وہ حقیقت ثابتہ یہ ہے کہ موجودہ مسلمان کا مسلمان ہونے کا دعویٰ اس کے باہمی اخوت و اتحاد کے لئے وجۂ اشتراک بننے میں

ناکام ثابت ہوا ہے۔ اس سے پہلے بھی جو تحریکیں (مثلاً پان اسلام ازم) مسلمانوں کو (ان کے دعوئ مسلمانی کی بنا پر) متحد کرنے کیلئے اٹھی تھیں، اپنے مقصد میں ناکام رہیں اور اب بھی اسی بنا پر جو سعی و کاوش بروئے کار لائی جائے گی خاسر و ناکام ثابت ہوگی۔

ہم ایک مرتبہ اس حقیقت کو پھر دہرا دینا چاہتے ہیں کہ اگر موجودہ مسلمانوں کا محض مسلمان ہونا ان کے اتحاد کے لئے قدر مشترک بن سکنے کے قابل ہو سکتا، تو ان کے اتحاد کے لئے کسی تحریک کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ان کے مسلمان ہونے کا دعویٰ ان میں خود بخود اتحاد پیدا کر دیتا۔

بعض حضرات سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے باہمی اتحاد کے لئے ان کے مسلمان ہونے کو قدر مشترک قرار نہیں دیتے۔ اور ایسی مشترک اقدار تجویز کرتے ہیں جن کی بنا پر یہ آپس میں متحد ہو جائیں۔ مثلاً اقتصادی منفعت۔ یعنی ہم کہتے ہیں کہ اگر مسلمان ممالک تجارت کے معاملے میں باہمی اتحاد پیدا کر لیں تو انہیں بڑا اقتصادی فائدہ ہوگا۔ لیکن ذرا اس تجویز کا عملی پہلو سامنے لائیے اور دیکھئے کہ نتیجہ کیا نکلتا ہے (مثلاً) آپ تو مسلمان ملک سے کہتے ہیں کہ وہ ب مسلمان ملک سے تجارتی معاہدہ کرے تو اسے زیادہ فائدہ ہوگا۔ وہ آگے سے کہتا ہے کہ میں نے اس مسئلہ پر غور کر لیا ہے۔ میں اگر روس سے ایسا معاہدہ کروں تو مجھے زیادہ فائدہ ہوگا۔ فرمائیے! اس کے بعد آپ کا جواب کیا ہوگا؟ یہ بات ہم نے محض مثال کے طور پر لکھی ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ وہ کون سی قدر مشترک تھی جس نے تمام مسلمانوں کو۔ بغیر کسی جدید تحریک یا الگ قدر مشترک کے۔ بھائی بھائی بنا دیا تھا اور جس کے کھو جانے سے وہ، باوجود دعوئے مسلمانی بھائی بھائی نہیں رہے۔ جب تک وہ قدر مشترک ان میں دوبارہ نہیں آتی، ان میں مسلمان ہونے کی حیثیت سے باہمی اخوت اور اتحاد پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ قدر مشترک۔ یہ بنائے حقیقی وہ قرآنی نظام تھا جس کے آئین و قوانین کا واحد سرچشمہ خدا کی آخری کتاب تھی۔ اسی بنا پر مسلمانوں سے کہا گیا کہ

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

حضور نبی اکرمؐ اور خلافت راشدہ کے عہد میں مسلمانوں کی زندگی اعتصام بحبل اللہ کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ یعنی امت کی حیات اجتماعی میں قرآن کا آئین اور قرآن کا قانون عملاً متشکل تھا۔ یہی نظام ان کے باہمی اتحاد و ائتلاف اور وحدت و اخوت کے لئے حقیقی وجہ اشتراک تھا۔ جب تک یہ بنائے اشتراک زندہ اور قائم رہی مسلمان حقیقی معنوں میں مسلمان تھا اور اس کا مسلمان ہونے کا دعویٰ ان کی اخوت کی بنیاد۔ آج مسلمان کو پھر اس بنائے اشتراک سے وابستہ کر دیجئے۔ یعنی خدا کی کتاب کو عملاً اس کا دستور حیات قرار دے دیجئے۔ اعتصام بحبل اللہ کا نقشہ از سرنو قائم ہو جائے گا۔ مسلمان حقیقی معنوں میں مسلمان قرار پا جائے گا

اس کے مسلمان ہونے کی دعوے کی عملاً تصدیق ہو جائے گی اور یاد رکھئے کہ اس طرح جب مسلمان حقیقتاً مسلمان بن گیا تو اسے اتحاد کی کسی اپیل کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اس وقت اس کا مسلمان ہونا ہی اس کے لئے تقاضائے اتحاد قرار پا جائے گا۔ اس توحید کے اس کی زندگی میں عملاً متشکل ہو جانے سے وطن، رنگ، نسل اور فرقہ بندی کے سارے لات ومنات زیر و زبر ہو کر رہ جائیں گے۔ خدا کی کتاب کو اپنے لئے ضابطۂ حیات اور اپنی مملکت کے لئے ضابطۂ قوانین بنا لینا اس کے اندر وہ تبدیلی پیدا کر دے گا جو اخوت و ائتلاف کا حقیقی جذبۂ محرکہ ہوتی ہے۔

اقبال نے کس قدر درست کہا تھا کہ

ہستیٔ مسلم ز آئین است و بس　　　باطن دینِ نبی ایں است و بس

تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست　　　زیرِ گردوں سرِ تمکینِ تو چیست

اور وہ آئین ہے

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم　　　حکمتِ اُو لایزال است و قدیم

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود　　　جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

اور نظام ملی کے لئے یہی وہ اساس محکم تھی جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس حکیم الامت نے کہا تھا کہ

اے کہ می خواہی نظامِ عالمے
جستۂ اورا اساسِ محکمے

تاریخ کے اوراق پر نگاہ ڈال کر دیکھ لیجئے کہ عرب و عجم میں جوں جوں اور جہاں جہاں مسلمانوں نے اس اساس محکم سے بیگانگی اختیار کی ان کے اتحاد و اخوت کی بنیادیں لرزتی اور پامال ہوتی چلی گئیں اور اب صدیوں سے وہ مسلمان ہونے کے دعوے کے باوجود کسی بنیاد پر متحد ہونے کے قابل نہیں ہو سکے۔ اب بھی موقع ہے کہ اقبالؒ کے الفاظ میں

داستانِ کہنہ شستی باب باب
فکر را روشن کن از امّ الکتاب

لہٰذا کرنے کا کام یہ نہیں کہ ہم مسلمانوں کے لئے نئی نئی اقدار مشترکہ وضع یا تلاش کریں۔ کرنے کا کام یہ ہے کہ ہم انہیں اس پر آمادہ کریں کہ وہ اپنی مملکت کے لئے قرآن کو ضابطۂ قوانین قرار دے لیں۔ ضابطۂ قوانین کی وحدت سے مملکتوں میں خود بخود وحدت پیدا ہو جائے گی۔ یہ ہے کرنے کا کام ـــــ اور اس کی ابتدا خود اپنے گھر سے کرنی چاہئے۔

حقائق و عبر

۱۔ کارِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد

پہلے اس خبر کو پڑھیئے۔

"سوراشٹر کے شہر جام نگر میں عید کے موقع پر مسلمانوں میں سخت کشیدگی پھیل گئی۔ اس کا باعث وہ اختلافات ہیں جو رمضان کے مہینے سے دیو بندی بریلوی فرقوں کے مابین پیدا ہو گئے تھے۔ نمازِ عید کے لئے بھی ان دو گروہوں نے قریب ہی انتظامات کئے جہاں تصادم کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا اس اندیشہ کے پیشِ نظر ۵۰ سے زیادہ مسلح پولیس کو نمازِ عید کی جگہ متعین کیا گیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے پولیس کے گھیرے میں علیحدہ علیحدہ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد پولیس نے کسی کو ٹھہرنے نہ دیا اور فوراً منتشر کر دیا۔ پولیس نے احتیاطی تدابیر کے طور پر دونوں فرقوں کے ۱۰ افراد کو گرفتار کیا اور ہر ایک کو دو دو ہزار روپے کی ضمانت پر رہا کر دیا۔"

پھر اس خبر پر ہندوستان ہی کی ایک اخبار (دعوتؔ دہلی) کے تفصیلی تبصرہ کا ایک حصہ ملاحظہ فرمائیے۔ لکھا ہے۔

"خدا جانے اقبالؔ نے کس عالم میں یہ شعر کہا تھا

نہ جانے کتنے سفینے ڈبو چکی اب تک
فقیہہ و صوفی و مُلّا کی ناخوش اندیشی

یہ جھگڑے سادہ لوح عوام کھڑے کرتے تو ان سے چنداں شکایت نہیں۔ لیکن تماشا یہ ہے کہ ہمارے عوام تو ان جھگڑوں سے بیزار ہیں البتہ یہ ہمارے خواص ہیں۔ یہ وہ حاملینِ شریعت اور علمبردارانِ دین مطہر ہیں جو اسلام کو اپنی جاگیر سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور اپنے ذہنی استنباط اور دماغی نکات کو معیارِ حق و باطل قرار دے چکے ہیں۔

عوام اختلافات کا زہر خود نہیں پیدا کرتے یہ پہلے فقیہ بے بصر کی خانقاہ میں تیار ہوتا ہے۔ ان ہی کے دست مبارک سے زہر کے یہ پیالے تقسیم ہوتے ہیں۔ پھر ان پر اسلام کا لیبل لگایا جاتا ہے اور یہ اعلان کر دیا جاتا ہے کہ جو اس زہر کو زہر کہے اور امرت نہ کہے اس کا اسلام مشتبہ ہو چکا ہے۔"

یہ خبر اور اس پر یہ تبصرہ شائع ہوا ہے۔ سہ روزہ ایشیا (لاہور) کی ۲۰ ؍ مارچ ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں۔ ایشیا (سابقہ) جماعت اسلامی کا نقیب ہے۔ یعنی اس جماعت کا جس کا آخری "جہاد عظیم" یہ تھا کہ انہوں نے آئین پاکستان میں یہ ترمیم کرائی تھی کہ پرسنل لاز کے سلسلے میں، ہر فرقہ کی کتاب وسنت کی الگ الگ تعبیر قانوناً تسلیم کی جائے گی۔ یعنی آئین میں فرقہ بندی کی لعنت کو ختم کیا گیا تھا۔ اور ان حضرات نے اپنی مسلسل کوششوں سے، اس فتنہ کی آئینی حیثیت کو پھر سے مسلّم کرا لیا اور اپنی اس فتح عظیم پر فخر اور مسرت کے شادیانے بجائے۔ صرف (سابقہ) جماعت ہی نے نہیں بلکہ ملک کی پوری کی پوری مذہبی پیشوائیت نے۔

سوال یہ ہے کہ جس فتنے کو آپ حضرات خود ہوا دے کر جگاتے ہیں، جب اس کی چنگاریوں سے خرمن امن وسلامتی خاکستر ہو جاتا ہے تو اس پر واویلا کیوں مچانا شروع کر دیتے ہیں؟ لیکن یہ تو ان حضرات کی پرانی ٹیکنیک ہے۔ یہ خود ہی فرقہ بندی کی گرہوں کو مضبوط سے مضبوط تر کرتے رہتے ہیں اور پھر ان فسادات کے خلاف خود ہی شور مچانا شروع کر دیتے ہیں جو فرقہ بندی کا فطری اور لازمی نتیجہ ہیں؛

۲۔ وقت کے تقاضوں کے مطابق ہمیں اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنی چاہیئے

یہ عنوان "طلوع اسلام" میں شائع شدہ کسی مضمون کا سرنامہ نہیں۔ یہ جلی سرخی ہے جس کے ساتھ ایک جماعت کے امیر کا خطبۂ صدارت شائع ہوا ہے۔ ذرا ذہن پر زور ڈال کر سوچئے تو سہی کہ وہ صاحب کون ہو سکتے ہیں؟ آپ لاکھ کوشش کیجئے، آپ کا ذہن صحیح شخصیت کی طرف کبھی منتقل نہیں ہو سکے گا۔ سنئے اور غور سے سنئے۔ ۳ ؍ اپریل کو مشرقی پاکستان کے ضلع راجشاہی کے معروف مقام۔ نواب گنج۔ میں جمعیتہ اہل حدیث مشرقی پاکستان کی سالانہ کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب امیر مرکزی جمعیتہ اہل حدیث مغربی پاکستان نے کی۔ ان کا خطبۂ صدارت، مندرجہ بالا سرخی کے ساتھ الاعتصام بابت ۱۷ ؍ اپریل ۱۹۶۳ء کے پہلے صفحہ پر شائع ہوا ہے۔

جمعیت اہل حدیث کے صدر ارشاد دیتے ہیں کہ

وقت کے تقاضوں کے مطابق ہمیں اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنی چاہیئے۔

جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں!!

انسان "عزت الاثم" اور "لغیاً بینہم" کی بنا پر، لاکھ ضد پہ اڑے، وقت کے تقاضے اسے حقیقت کی طرف آنے پر مجبور کر ہی دیتے ہیں۔

۳- بڑی عزت کی بات!

گزشتہ مارچ میں، قاہرہ کی مشہور یونیورسٹی جامعہ ازہر کی طرف سے ایک کانگریس منعقد ہوئی۔ جس میں ۲۹ ممالک کے بڑے بڑے علماء کو قاہرہ میں مدعو کر کے اسلام کی تبلیغ اور مسلمانوں کی موجودہ حالت کے متعلق سوچ بچار کرنے کی دعوت دی گئی۔ اس اجتماع عظیم میں پاکستان کی طرف سے مولانا مفتی محمود صاحب ممبر قومی اسمبلی۔ مولانا غلام غوث ہزاروی ممبر صوبائی اسمبلی اور مولانا یوسف بنوری امیر جمعیت العلمائے اسلام شریک ہوئے۔ اس اجتماع کی روداد، ترجمان اسلام (لاہور) کی یکم مئی ۱۹۶۴ء کی اشاعت میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں جن اہم امور پر غور و خوض کیا گیا ان میں ایک شق یہ بھی تھی۔

> اسلام کے بعض مسائل مثلاً غلامی، تعدد ازدواج، حرمت خنزیر اور طلاق وغیرہ کے بارے میں غیر مسلموں کا گمراہ کن پراپیگنڈہ۔

ان امور پر اس کانگریس میں کیا بحث ہوئی۔ اس کا کوئی تفصیلی تذکرہ زیر نظر رپورٹ میں موجود نہیں۔ غلامی کے سلسلے میں البتہ حسب ذیل سطور سامنے آتی ہیں۔

> شیخ ابو زہرہ نے استرقاق (غلام سازی) کی مخالفت کی۔

اتنا پڑھ کر ہمیں خوشی ہوئی کہ غنیمت ہے اب ان حضرات کی طرف سے بھی غلامی کی مخالفت کا اعلان ہونا شروع ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے بعد یہ الفاظ ہمارے سامنے آ گئے۔

> چنانچہ سوڈان کے شیخ الاسلام نے اس پر ان کا مواخذہ کیا۔ شیخ ابو زہرہ جیسے ماہرین کا اس مسئلہ میں یوں کہنا کہ "قرآن میں غلاموں اور باندیوں کا ذکر متردد ہے لیکن انہیں غلام بنانے کا حکم کہیں نہیں ہے۔" ضرور باعث حیرت ہے۔ شیخ ابو زہرہ جو کہ اسلامی تاریخ کے زبردست ماہر اور ائمہ اربعہ پر پوری دسترس رکھنے والے تسلیم کئے جاتے ہیں کاش کہ وہ ان غزوات اور جنگوں پر ایک بار دوبارہ نگاہ ڈال لیتے جن میں حضورؐ کے زمانہ اور آپ کے بعد صحابہؓ کے زمانے میں غیر مسلم قیدیوں کو غلام بنایا گیا اور انہیں بعض موجودہ اقوام کی طرح قتل نہیں کیا گیا۔

اس کے بعد تحریر ہے۔

مسئلہ غلامی پر مغرب کے مستشرقین نے انتہائی غبار آمیز رویہ اختیار کیا ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ بعض مشرقی علماء بھی ان عیسائی اور یہودی مستشرقین کے پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر اسلام کے مسئلہ غلامی کو گویا "شرم" کا مسئلہ سمجھنے لگے ہیں۔

ہم اس وقت "اسلام میں غلامی" کے مسئلہ پر بحث نہیں کرنا چاہتے۔ (اس مسئلہ پر اس سے پہلے متعدد بار طلوع اسلام میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے اور ہماری کتاب "غلام اور لونڈیاں" میں یہ بحث الگ سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے)۔ ہم کہنا صرف یہ چاہتے ہیں کہ جب آپ حضرات کے نزدیک اسلام میں غلامی کا سوال کسی شرم کا موجب نہیں بلکہ عزت اور فخر کا باعث ہے تو پھر مغربی مستشرقین کے (اس ضمن میں) پراپیگنڈے سے آپ چیں بجبیں کیوں ہوتے ہیں؟ اس پر شادیانے کیوں نہیں بجاتے کہ وہ آپ کے اس قدر باعث فخر و مباہات مسلک کا عام چرچا کرتے ہیں!

سچ کہا تھا کسی نے کہ "خدا اسلام کو اس کے دوستوں سے بچائے۔" اس سلسلے میں ہم محترم مدیر ترجمان اسلام سے صرف دو سوال پوچھنا چاہتے ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن کریم میں جنگی قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنانے کا حکم کس جگہ آیا ہے اور دوسرے یہ کہ حضور نبی اکرم کے زمانے میں جس قدر لڑائیاں لڑی گئیں ان میں سے کون سی لڑائی کے جنگی قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنایا گیا تھا؟

مُفت

مجرب دوا برائے دمہ — درد گردہ و پتھری

حاجی محمد دین شیخ اینڈ فیکٹری متصل گنیش کھوپرا ملز

لارنس روڈ —— کراچی

نوٹ:۔ جوابی لفافہ ضرور آنا چاہیئے۔

وہ کتاب جس کا مدت سے انتظار تھا پھر شائع ہو گئی یعنی

قرآنی فیصلے

کتنے کام ایسے ہیں جنہیں ہم یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے مطابق ہیں لیکن اس پر کبھی غور نہیں کرتے کہ خدا کا ان کے متعلق کیا حکم ہے۔ ان امور کے متعلق ہمیں استفسارات موصول ہوتے ہیں تو ان کے جوابات قرآن کریم کی روشنی میں طلوعِ اسلام میں شائع کئے جاتے ہیں۔ ۱۹۵۳ء میں اس قسم کے استفسارات اور ان کے جوابات کا ایک مجموعہ "قرآنی فیصلے" کے نام سے شائع کیا گیا تھا جو ملک میں بڑا مقبول ہوا۔ وہ مجموعہ مدت سے نایاب تھا اور اس کے نئے ایڈیشن کے لئے تقاضے موصول ہوتے تھے لیکن اس دوران میں بے شمار اور استفسارات آئے اور ان کے جوابات دئے گئے۔ اب ان استفسارات اور جوابات کو از سرِ نو مرتب کیا گیا ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ یہ ایک جلد میں نہیں بلکہ دو تین جلدوں میں سما سکیں گے۔ اس سلسلہ کی پہلی جلد چھپ کر آگئی ہے۔ اس میں پہلے ایڈیشن کی بہت تھوڑی سی چیزیں ہیں باقی تمام نئی ہیں۔ اس اعتبار سے اسے اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ نئی تالیف خیال کرنا چاہیئے۔ اس کے چند ایک عنوانات ملاحظہ

۱۔ نماز اور صلوٰۃ میں کیا فرق ہے۔
۲۔ نمازوں کی تعداد۔ رکعات۔ اوقات۔ ارکان وغیرہ کیسے متعین کئے جائیں گے۔
۳۔ رسول اللہؐ کس طریق سے نماز پڑھتے تھے؟
۴۔ مختلف فرقوں کی نمازوں میں فرق۔
۵۔ روزے کے احکام کیا ہیں۔ تراویح کتنی پڑھنی چاہیئے۔ لیلۃ القدر کی رات کونسی ہوتی ہے۔
۶۔ حج سے کیا مقصود ہے۔
۷۔ قربانی کی حقیقت کیا ہے؟
۸۔ زکوٰۃ سے کیا مراد ہے؟
۹۔ نکاح کا طریقہ کیا ہے؟
۱۰۔ طلاق۔ مہر۔ عدت وغیرہ کے احکام کیا ہیں۔
۱۱۔ کیا عورتوں کو حکومت میں شریک کیا جا سکتا ہے؟
۱۲۔ عقیقہ۔ ختنہ۔ منگنی۔ رخصتی۔ تجہیز و تکفین کے شرعی احکام کیا ہیں؟
۱۳۔ حرام اور حلال کیا ہے؟
۱۴۔ کیا شراب حرام ہے؟
۱۵۔ ریس میں شرط لگانا۔ برج کھیلنا۔ لاٹری ڈالنا کیسا ہے؟
۱۶۔ موسیقی (گانا سننے) کے متعلق کیا حکم ہے؟
۱۷۔ کیا تصویر کھنچوانا ناجائز ہے؟
۱۸۔ سینما دیکھنا چاہیئے یا نہیں؟
۱۹۔ شب برات کیوں منائی جاتی ہے؟

یہ اور اس قسم کے متعدد دیگر امور کتاب میں شامل ہیں۔ چونکہ اس کتاب کی عام اشاعت مقصود ہے اس لئے اس کا چیپ ایڈیشن شائع کیا گیا ہے۔ ضخامت ۳۳۶ صفحات۔ بکس بورڈ کا کور۔ قیمت صرف تین روپے۔ جلد منگا لیجئے کیونکہ چیپ ایڈیشن شاید دوبارہ نہ شائع ہو سکے۔ ناظم ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی۔ گلبرگ۔ لاہور۔

ملّتِ اسلامیہ کا مقنّنِ اعظم

امام ابو حنیفہؒ

تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ ابتدائے آفرینش سے نوعِ انسانی کی رشد و ہدایت کے لئے نبوت اور نزولِ وحی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اور بالآخر حضور رسالتمآبؐ کی ذاتِ اقدس و اعظم کے ساتھ یہ سلسلہ حاصلِ تکمیل کو پہنچ گیا۔ قیامت تک کے لئے نوعِ انسانی کو اپنے نظامِ معاشرہ کے لئے جن اصول و اقدار کی ضرورت تھی وہ قرآن کریم کی دفتین میں محفوظ کر دیئے گئے اور ان کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا۔ نوعِ انسانی کی ہدایت اور راہ نمائی کے سلسلے میں اس عظیم ترین خدائی فیصلے کے بعد امتِ مسلمہ کا فریضہ یہ تھا کہ ان اصول و اقدار کی غیر متبدل اور محکم اساس پر زمانہ بزمانہ حالات کے تقاضوں کے پیشِ نظر، نظامِ معاشرہ کی جزئیات طے کرتی ہوئی زندگی کی شاہراہوں پر حفظ و امن سے آگے بڑھتی چلی جائے۔ دینِ خداوندی کا یہی وہ منشا و مقصود تھا جس کی عملی تشکیل حضور نبی اکرمؐ والّذین معہٗ کے مقدس ہاتھوں سے ہوئی۔ حضورؐ نے اپنے دور کی ضرورتوں کے مطابق دینِ خداوندی کو محسوس پیکروں کی صورت دی۔ اور اس نظام کی جزئیات مرتب فرمائیں۔ اور جب آپؐ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو آپ کے جلیل القدرؓ جانشینوں نے اس نظام کو حسن انداز سے آگے بڑھایا؛ حالات کی تبدیلیوں کے ساتھ جو نئے نئے تقاضے ابھر کر سامنے آئے ان کے پیشِ نظر جہاں جزئیاتِ دین میں تبدیلیوں کی ضرورت پیش آئی وہاں ان میں تبدیلی بھی کی گئی۔ اور جہاں ایسی تبدیلی کی ضرورت پیدا نہ ہوئی وہاں پہلے سے طے شدہ جزئیات کو علیٰ حالہٖ قائم رکھا گیا۔ یہ سب تغیرات اور تبدیلیاں ہماری تاریخِ دین کے اوراق میں آج بھی جگمگاتی دکھائی دے رہی ہیں۔ اور بتا رہی ہیں کہ ثبات و تغیر کا یہی وہ حسین امتزاج تھا جس کے سہارے ہمارا کارواں کامرانیوں اور شادمانیوں کے جلو میں زندگی کی ارتقائی منزلوں پر قدم بڑھاتا گیا۔

اور جب تک یہ صورت قائم رہی اسلام کی جہانگیری اور عالم آرائی کا سلسلہ ترقی پذیر رہا۔

لیکن ابھی نصف صدی پوری نہ ہونے پائی تھی کہ خلافت، ملوکیت میں تبدیل ہوگئی اور اس کے بعد اسلام کی گاڑی جس نئی پٹڑی پر ڈال دی گئی اور دینِ خداوندی کا نقشہ جس انداز سے بدلا گیا اس کی داستانِ غم ہماری تاریخ کا سب سے المناک باب ہے۔ ملوکیت خدا کے دین میں ایک شجرِ ممنوعہ اور شرفِ انسانی کے لئے ایک جذام کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس کا سب سے گھناؤنا کردار یہ تھا (اور ہمیشہ یہی رہا ہے) کہ سیاسی امور و اختیارات حکمرانوں نے اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور مذہبی معاملات پیشوائیت کے سپرد کر دئے۔ یہ بعینہٖ عیسائیت کے "قیصر اور کلیسا" کا سا گٹھ جوڑ تھا جس نے دینِ خداوندی کی ناقابلِ تقسیم وحدت کو مذہب اور سیاست کی ثنویت میں بدل دیا۔ یہ حکمران اب بھی خلافت کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے۔ اور صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی طرح خلیفۃ المسلمین اور امیرالمومنین کے القاب اختیار کئے ہوئے۔ لیکن وہ وحدتِ دین جو ثبات و تغیر کی ہم آہنگی سے دین کے نشو و ارتقا کی ضامن تھی زیر و زبر ہو کر رہ گئی۔ سیاست کے سلاطین کے ہاتھوں میں منتقل ہو جانے کے بعد زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق، اسلامی اصولوں کی روشنی میں قوانین مرتب کرنے کا اہم فریضہ انفرادی کوششوں کے سپرد ہو گیا۔ انہی کوششوں کا نام اجتہاد ہے۔ اور ہمارے اسلاف میں جن برگزیدہ شخصیتوں نے اس سلسلے میں کد و کاوش کی وہ امت کے امام۔ فقہا اور مجتہدین کہلائے۔

فقہا و محدثین کے اس گروہ میں جو امت میں عقیدت اور احترام کا ایک مخصوص مقام رکھتا ہے، امام ابو حنیفہ علیہ الرحمتہ کا اسمِ گرامی سرِفہرست نظر آتا ہے۔ اور ان کے اجتہاد کو امت میں صدیوں سے جو امتیازی حیثیت حاصل ہے اسے سامنے رکھتے ہوئے اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ امام موصوف کو ملتِ اسلامیہ کے عظیم مقنن کا مقام و منصب حاصل ہے۔ ان کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ وہ عباسی سلطنت کے زیرِ عتاب تھے۔ اور جیلخانے کی کوٹھڑی میں جان دی۔ لیکن جب ان کا جنازہ اٹھا تو پچاس ہزار سے زیادہ مسلمان اس جنازہ کے ساتھ تھے۔ بغداد کے قاضی شہر حسن بن عمارہ نے انہیں غسل دیا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور وہ یہ کہتے جا رہے تھے کہ

"واللہ! تم سب سے بڑے فقیہ۔ بڑے عابد۔ بڑے زاہد تھے۔ تم میں تمام خوبیاں موجود تھیں۔ تم نے اپنے جانشینوں کو اس سے مایوس کر دیا کہ وہ تمہارے مرتبہ کو پہنچ سکیں۔"

حضرت عبداللہ ابن المبارک جیسی اس دور کی عظیم مذہبی شخصیت نے ان کے مزار پر کھڑے ہو کر بادیدۂ تر کہا۔

"ابو حنیفہ! خدا تم پر رحم کرے۔ ابراہیم مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ افسوس کہ تم نے پوری دنیا میں کوئی جانشین نہ چھوڑا۔"

ان کی عظمت پر فضیل بن عیاض، جعفر بن ربیع، نیلج بن وکیع، ابن جریج اور امام مالک (رحمہم اللہ) جیسی شخصیتوں

نے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ امام مالکؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ

اگر وہ (امام ابوحنیفہؒ) اپنے قیاس سے مسجد کے ان ستونوں کو لکڑی کا ثابت کرنا چاہیں تو تم یقین کر لو کہ یہ واقعی لکڑی کے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی عظمت کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ انہوں نے فقہ اسلامی کی باضابطہ ترتیب و تدوین کی سب سے پہلی اور مؤثر کوشش کی۔ اور اسی بنا پر انہیں "امام اعظم" کے عظیم القدر خطاب سے نوازا گیا۔ اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ ان کی فقہ کا مدار قیاس پر تھا۔ اور قیاس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم کے اصولوں کی روشنی میں اپنے اجتہاد سے دین کی جزئیات مرتب کی جائیں۔ اور جو لوگ فقہ اسلامی اور اس کی تاریخ کا علم رکھتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ امام اعظمؒ نے فقہ کی اس عظیم الشان ترتیب میں احادیث سے بہت کم مدد لی۔ اس کی وجہ یہ قطعاً نہ تھی کہ امام موصوف کو احادیث نہیں مل سکتی تھیں یا انہیں علم حدیث پر عبور حاصل نہیں تھا۔ اگرچہ ان کے مخالفین نے ان پر یہ الزام عائد کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ احادیث کے معاملہ میں بے بہرہ تھے لیکن یہ الزام افسوسناک مخالفت کا شاخسانہ تھا۔ اور اس کی تردید کرتے ہوئے شمس الائمہ سرخسیؒ نے لکھا تھا کہ

امام ابوحنیفہؒ کی قلتِ روایت کی بنا پر بعض مخالفین نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ وہ حدیث سے واقف ہی نہیں تھے۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ وہ تو اپنے زمانے کے حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔ لیکن کمالِ ضبط کی شرط ملحوظ رکھتے ہوئے روایت سے بہت کم کام لیتے تھے۔

(کشف الاسرار۔ جلد دوم۔ صفحہ ۱۸)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام موصوف کی قلتِ روایت کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں ابھی احادیث کے مجموعے مرتب نہیں ہوئے تھے۔ علامہ اقبالؒ نے اس دلیل کو بھی غلط قرار دیا ہے۔ چنانچہ اپنے خطبات میں انہوں نے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔

یہ کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے تدوین فقہ میں احادیث سے اس لئے کام نہیں لیا کہ ان کے زمانے میں احادیث کے کوئی باضابطہ مجموعے مرتب نہیں ہوئے تھے۔ اول تو یہ کہنا ہی درست نہیں کہ ان کے زمانے میں احادیث کے مجموعے موجود نہیں تھے۔ امام مالک اور زہری کے مجموعے ان کی وفات سے تقریباً ۳۰ سال پہلے مرتب ہو چکے تھے لیکن اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ یہ مجموعے امام صاحب تک نہیں پہنچ پائے تھے یا ان میں قانونی حیثیت کی احادیث موجود نہیں تھیں تو اگر امام صاحب اس کی ضرورت سمجھتے تو وہ احادیث کا اپنا مجموعہ مرتب فرما سکتے تھے۔ جیسا کہ امام مالکؒ اور ان کے بعد امام احمد بن حنبلؒ نے کیا تھا۔ ان حالات کی روشنی میں یہ سمجھنا

رسول کی ان احادیث کے متعلق جن کی حیثیت قانونی ہے امام ابو حنیفہ کا یہ طرزِ عمل بالکل معقول اور مناسب تھا۔ اور اگر آج کوئی وسیع النظر مقنن یہ کہتا ہے کہ احادیث ہمارے لئے من وعن ترسیت کے احکام نہیں بن سکتیں تو اس کا یہ طرزِ عمل امام ابو حنیفہ کے طرزِ عمل کے ہم آہنگ ہوگا جن کا شمار فقہ حنفی کے بلند ترین مقننین میں ہوتا ہے۔ (خطبات اقبال۔ ص ۱۶۲-۱۶۳)

خود علامہ محدث امام ذہبیؒ نے اپنی کتاب "حفاظِ حدیث" اور حافظ ابو المحاسن دمشقی الشافعی نے اپنی تصنیف "عقود الجمان" میں امام اعظمؒ کو بہت بڑا ماہر علم حدیث قرار دیا ہے۔ علامہ ابن خلدون "فصل علوم الحدیث" میں لکھتے ہیں۔

فن حدیث میں امام ابو حنیفہؒ کا کبار مجتہدین میں شمار اس سے ثابت ہے کہ ان کا مذہب محدثین میں معتبر خیال کیا جاتا ہے۔

ابن خلدون نے امام اعظمؒ کے عام روایات کو نظر انداز کرنے کے مسلک کا سبب بھی بیان کیا ہے۔ او لکھا ہے کہ

والامام ابوحنیفه انما قلت روایته لما شدد فی شروط الروایة والتحمل

یعنی امام ابو حنیفہ کی روایات اس لئے کم ہیں کہ انہوں نے روایت اور تحمل کی شروط میں سختی اختیار کی۔

اصل وجہ یہ تھی کہ امام اعظمؒ حدیث کو وحی الٰہی کی طرح نہ تو غیر متبدل سمجھتے تھے اور نہ ہی شک و شبہ سے بالاتر۔ ان کے نزدیک دینِ خداوندی کی بنیاد یقینیات پر تھی اور احادیث کو یقینیات کا درجہ حاصل نہیں۔ وہ کتاب اللہ کی روشنی میں اپنے اجتہاد اور اہل الرائے کے مشورے سے فقہ کی تدوین کرتے تھے۔ اور اگر کوئی یہ اعتراض کرتا کہ آپ کا یہ فیصلہ رسول اللہ کی فلاں حدیث کے خلاف ہے تو اس کے جواب میں وہ یہی کہتے جو حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ کا وہ فیصلہ اس زمانے کے لئے تھا اور اس دور کے حالات کے مطابق تھا۔ اب حالات بدل چکے ہیں اور اسی تبدیلی کی بنا پر فیصلے میں بھی تبدیلی ضروری ہے یا وہ حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ کبارؓ کے اتباع میں یہ کہتے کہ کیا معلوم رسول اللہؐ نے کیا فرمایا تھا اور سننے والے نے اسے کیا سمجھا؟ ہم کتاب اللہ کی موجودگی میں غیر یقینی چیزوں کو دین کا حصہ نہیں قرار دے سکتے۔ چونکہ وہ اس حقیقت کو واضح اور نمایاں کرنا ضروری سمجھتے تھے کہ احادیث رسول اللہ نہ تو یقینی ہیں اور نہ غیر متبدل، اس لئے احادیث کے رد میں وہ بعض اوقات شدت بھی اختیار کر لیتے تھے۔ ابو الصلح فزاری کہتے ہیں کہ میں نے یوسف بن اسباط کو یہ کہتے سنا کہ امام ابو حنیفہؒ نے رسول اللہ صلعم کی چار سو بلکہ چار سو سے بھی زیادہ حدیثوں کو رد کر دیا ہے۔ ابو سائب کہتے ہیں کہ میں نے حدیث کے مشہور عالم امام وکیع کو یہ کہتے سنا کہ "ہم نے ابو حنیفہؒ کو دو سو حدیثوں کی مخالفت کرتے ہوئے پایا۔" عبدالاعلیٰ بن حماد اپنے والد حماد بن سلمہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ کے سامنے رسول اللہ کی حدیثیں آتی تھیں مگر وہ اپنی رائے سے انہیں رد کر دیا کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے بھی مؤمل کے واسطے سے حماد بن سلمہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۳ صفحہ ۹۱-۹۳)۔

ابو اسحق فزاری کہتے ہیں کہ میں ابو حنیفہؒ کے پاس جا کر مسائل جہاد کے متعلق سوال کیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا۔ ابو حنیفہؒ نے اس کا جواب دیا۔ اس پر میں نے کہا کہ اس بارے میں رسول اللہؐ کا ارشاد تو اس طرح ہے۔ ابو حنیفہؒ نے کہا " ہمیں اس سے معاف رکھو" علی ابن عاصم کہتے ہیں کہ ہم نے ابو حنیفہؒ کو رسول اللہ صلعم کی حدیث سنائی تو ابو حنیفہؒ نے کہا کہ " میں اسے قبول نہیں کر سکتا" میں نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے۔ ابو حنیفہؒ نے پھر کہا " ہاں ہاں میں اسے قبول نہیں کرتا۔" (تاریخ خطیب جلد ۱۳ - صفحہ ۳۸۹)

یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ کے سامنے یہ حدیث نقل کی گئی کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے " وضو آدھا ایمان ہے " ابو حنیفہؒ کہنے لگے " پھر تو دو وضو کر ڈالو تاکہ تمہارا ایمان مکمل ہو جائے " اسی طرح ان کے سامنے یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ " لَا اَدْرِیْ (میں نہیں جانتا) کہہ دینا آدھا علم ہے " ابو حنیفہؒ کہنے لگے کہ بس دو مرتبہ لا ادری کہہ دینا چاہیئے تاکہ علم مکمل ہو جائے "

یہ تھا فقہ اسلامی کے اس امام اعظمؒ کا احادیث کے بارے میں مسلک۔ امام اعظمؒ نے اس مسلک کی تائید میں دلائل بھی پیش کئے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ " خود رسول اللہ صلعم کا طریقہ یہ تھا کہ جزئیات دین کی تعیین میں آپ صحابہؓ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور جو رائے بہتر ہوتی اسے اختیار فرما لیا کرتے تھے " اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ " اگر میں رسول اللہ کے زمانے میں ہوتا تو میں بھی اس مجلس مشاورت میں ہوتا اور میرا خیال ہے کہ کئی امور میں حضورؐ میری ذاتی رائے کو اختیار فرما لیتے " تاریخ خطیب میں محمود بن موسیٰ اور ابو صالح الفراء کی زبانی یوسف بن اسباط کی یہ روایت قدرے مختلف اور جدا جدا الفاظ میں درج ہے۔

(تاریخ خطیب - جلد ۱۳ - صفحہ ۳۸۷ ، ۳۹۰)

خطیب نے یہ کچھ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے —

میں ایک روز ابو حنیفہؒ کے پاس بیٹھا تھا کہ سلطان کی طرف سے ایک ایلچی آیا۔ اس نے کہا کہ امیر نے پوچھا ہے کہ ایک آدمی نے شہد کا چھتہ چرا لیا ہے۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ ابو حنیفہؒ نے بلا کسی ہچکچاہٹ کے جواب دیا کہ اس کی قیمت اگر دس درہم ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ ایلچی چلا گیا تو میں نے ابو حنیفہؒ سے کہا کہ تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ مجھ سے یحییٰ بن سعید نے بیان کیا۔ انہوں نے محمد بن حبان سے۔ انہوں نے رافع بن خدیج سے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ پھل پھلواری کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔ فوراً اس آدمی کی مدد کو پہنچو ورنہ اس کا ہاتھ کٹ جائے گا۔ اس پر ابو حنیفہ نے بلا تامل کہا کہ وہ حکم گزر چکا اور ختم ہو چکا۔ چنانچہ اس چور کا

ہاتھ کاٹ دیا گیا ـــ (ایضاً)

صحابہ کبارؓ کے اتباع میں امام ابوحنیفہؒ کا یہی وہ مسلک تھا جس کی بنا پر وہ اہل الرائے کے امام اعظم کہلائے۔ اہل الرائے کے مقابلے میں دوسرا گروہ "اہلِ حدیث" کا تھا۔ چنانچہ اس دوسرے گروہ کے چوٹی کے محدثین نے امام اعظمؒ کی مخالفت میں افسوسناک الفاظ استعمال کئے ہیں اور تاریخ خطیب میں انکی پوری تفصیل موجود ہے۔ امام مالک بن انسؒ نے کہا تھا کہ "ابوحنیفہؒ کا فتنہ اس امت کے لئے (معاذ اللہ) ابلیس کے فتنہ سے کم نہیں۔ دونوں باتوں میں ـــ عقیدہ ارجاء میں بھی اور احادیث کو رد کرنے میں بھی"۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ "میں دجال کے فتنہ کے بعد اسلام میں کسی فتنے کو (پناہ بخدا) ابوحنیفہؒ کے فتنے سے بڑا نہیں دیکھتا"۔ فزاری کہتے ہیں کہ "میں نے سفیان ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ دونوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ "اسلام میں ابوحنیفہؒ سے زیادہ (خاکم بدہن) بدبخت ترین پیدا نہیں ہوا"۔ قیس بن ربیع سے ابوحنیفہؒ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ "ماضی (روایات و آثار) میں جاہل ترین اور مستقبل (استنباط احکام) کا عالم ترین شخص ہے"۔ عمرو بن قیس کا قول ہے کہ "جو شخص حق کو معلوم کرنا چاہتا ہے اُسے کوفہ جا کر ابوحنیفہؒ اور اس کے اصحاب کے قول کو دیکھنا چاہیئے۔ اس کے بعد ان اقوال کے خلاف کرنا چاہیئے۔" (کیونکہ وہی حق ہے) بشری کہتے ہیں کہ "تم ابوحنیفہؒ کی مخالفت کرو گے تو حق کو پالو گے"۔ عمار بن زریق کہتے ہیں "ابوحنیفہؒ کی مخالفت کرو۔ تم حق کو پالو گے"۔ ابن عمار کا قول ملاحظہ ہو۔ کہتے ہیں کہ "جب تمہیں کسی بات میں شک ہو تو دیکھو کہ ابوحنیفہؒ نے کیا کہا ہے۔ بس اس کی مخالفت کرو کہ حق وہی ہوگا یا یوں کہو کہ اس کی مخالفت میں ہی برکت ہے"۔ ابوعبید سے روایت ہے کہ میں اسود بن سالم کے ساتھ رصافہ کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا وہاں کسی مسئلہ کا تذکرہ آ گیا۔ میرے منہ سے نکل گیا کہ ابوحنیفہؒ ایسا کہتے ہیں تو اسود نے مجھے ڈانٹ کر کہا کہ "تو مسجد میں ابوحنیفہؒ کا تذکرہ کرتا ہے"؟ اور مسجد میں ابوحنیفہؒ کا نام لینے کے جرم میں وہ مجھ سے اس قدر ناراض ہوئے کہ مرتے دم تک پھر مجھ سے کلام نہ کیا۔

معاملہ یہیں پر بس نہیں ہوا بلکہ اور آگے بڑھا۔ تاریخ خطیب میں فقہ حنفی کی مخالفت کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ چنانچہ اس میں بتایا گیا ہے کہ محمد بن مخلد کہتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ مدینی سے پوچھا گیا "کیا وجہ ہے کہ ابوحنیفہؒ کی رائے سارے شہروں میں گھس گئی ہے مگر مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو سکی"؟ محمد بن مسلمہ نے جواب دیا کہ "اس کی وجہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی ہر گلی پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو مدینہ میں دجال کو داخل ہونے سے روکے گا۔ اور یہ بھی چونکہ دجالوں کا کلام ہے اس لئے وہاں داخل نہیں ہو سکا"۔ (استغفراللہ)

یہ امام اعظمؒ کے بارے میں محدثین کے مشہور بزرگوں کے نقطۂ نظر کا ایک مختصر سا جائزہ ہے۔ مخالفت کا یہ گھناؤنا انداز اس لئے اختیار کیا گیا کہ امام اعظمؒ احادیث کو غیر متبدل قانون کی حیثیت دینے کیلئے تیار نہیں تھے۔

اس صورتِ حال پر مصر کے دورِ حاضر کے ایک مشہور عالم ابوزہرا نے اپنی کتاب "امام ابوحنیفہؒ" میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔ مصر کے اکثر علماء کی طرح ابوزہرا کا تعلق شافعی مسلک سے ہے۔ اس کے باوجود انہیں یہ اعتراف کرنا پڑا کہ

> مگر (امام ابوحنیفہؒ کے) مخالفین کی صف میں زیادہ تر وہی لوگ نظر آتے ہیں جو استقلالِ فکری میں ان کے مقابلہ میں عاجز تھے یا ان کے مدارکِ فقہ تک رسائی سے محروم تھے۔ یا پھر وہ تنگ مزاج مخالفین تھے جو ہر اس طریقِ فکر کو جو اقوالِ اسلاف سے ماخوذ نہ ہو حق معروف سے خارج اور بدعتِ منکر خیال کرتے ہیں۔ امام صاحب سے ان کے بھڑکنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کی نظر میں جہاں توقف واجب تھا یا اخذ قلیل سے کام چل سکتا تھا وہاں امام صاحب بے دھڑک رائے اور قیاس کا استعمال فرمایا کرتے تھے .....
>
> امام صاحب کے بعض نکتہ چیں وہ ہیں جو ان کی شانِ مروت وانتقاء اور علم وفضل سے آشنا نہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل وافر، علم گراں بہا، قدر خطیر اور عوام و خواص کی نگاہ میں رتبۂ خاص سے نوازا ہے۔ امام صاحب کی ذاتِ گرامی پر قدح کرنے والوں کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو۔ اور ان کی کثرتِ کلام کا عالم کچھ ہی کیوں نہ ہو..... مگر یہ امر واقعہ ہے کہ تاریخ نے اس فقیہہ عراق پر طعن وتشنیع کرنے والوں کے مقابلے میں ہمیشہ انصاف کیا ہے۔ ان کے مقابلے میں بھی جو ان کی زندگی میں معروفِ افترا تھے اور ان کے مقابلے میں بھی جو موت کے بعد بھی افترا پردازیوں سے باز نہ آئے۔ لوگوں نے گوشِ ہوش سے ان لوگوں کی باتیں سنیں جنہوں نے امام صاحب کی صفت وثنا بیان کی ہے۔ اسے شہادتِ صدق اور قولِ حق سمجھ کر کہنے والوں کی تعریف کی۔ اور سمجھ لیا کہ دشنام طرازیوں کی روشن دلیل ہے اس بات کی کہ انسان جب قدر وفکر، اخلاص ومروت اور دین کے لحاظ سے عظمت ورفعت حاصل کر لیتا ہے تو افترا سے محفوظ نہیں رہتا۔ اور یہ چیز اس کی آزمائش اور جزا میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔ (صفحہ ۹۹-۱۰۰)

اس مکتبِ فقہ کی بارگاہ سے جس نے امام اعظمؒ کے خلاف وہ کچھ کہا تھا جسے ہم دل پر پتھر رکھ کر اوپر نقل کر آئے ہیں، یہ خراجِ تحسین (امام موصوف کی عظمت کا بہت بڑا اعتراف ہے۔ ساتھ ہی امام ابوحنیفہؒ کی وسعتِ قلبی اور بلند نگہی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جہاں ان کے مخالفین نے ان کے خلاف یہ کچھ کہا وہاں امام صاحب نے جو نعرہ بلند کیا وہ یہ تھا کہ

> اے اللہ! جن لوگوں کے سینے ہمارے لئے تنگ ہیں ہمارے سینے ان کے لئے فراخ ہیں۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۳، صفحہ ۳۵۲)

اس مقام پر ایک اور اہم حقیقت کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ اور وہ یہ کہ کیا امام اعظمؒ کا منشا یہ تھا کہ وہ اپنی فقہ کو قیامت تک کے لئے "غیر متبدل" سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ان کے بعد فقہ حنفی کی تقلید کرنے والوں نے سمجھ لیا۔ جس شخص کا اپنا عقیدہ یہ ہو کہ حضور نبی اکرمؐ کے فیصلے بھی قیامت تک کے لئے "غیر متبدل" قرار نہیں پا سکتے وہ اپنے تفقہ و اجتہاد کو کیونکر غیر متبدل اور ہمیشہ کے لئے واجب تقلید قرار دے سکتا ہے۔ اس باب میں تاریخی شہادات موجود ہیں کہ امام اعظمؒ نے اسے قطعاً پسند نہیں کیا کہ ان کے اجتہادات کو ابدی حیثیت دے دی جائے۔ انہوں نے ہمیشہ اس بات کو شدت سے روکا۔ چنانچہ تاریخ خطیب میں مذکور ہے کہ

"نضر بن محمد کہتے ہیں کہ ہم امام ابو حنیفہؒ کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ اور ہمارے ساتھ شام کا ایک شخص بھی ہوتا تھا۔ جب وہ شامی وطن کو واپس جانے لگا تو رخصت ہونے کے لئے امام ابو حنیفہؒ کے پاس آیا۔ امام ابو حنیفہؒ نے اس سے پوچھا اے شامی! کیا تم اس کلام (فقہ) کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ گے؟" شامی نے جواب دیا "ہاں"! اس پر امام نے فرمایا۔ "خیال رکھنا! تم بہت بڑے شر کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہو"۔ (جلد ۱۳۔ صفحہ ۳۵۲) مزاحم بن زفر کہتے ہیں کہ میں نے خود امام ابو حنیفہؒ سے سوال کیا کہ "جو کچھ آپ فتویٰ دیتے ہیں یا اپنی کتابوں میں درج فرماتے ہیں کیا یہ سب حق ہے۔ جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں"؟ امام ابو حنیفہ نے فرمایا "بخدا مجھے معلوم نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ باطل ہو اور اس کے باطل ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو"۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ ہم امام ابو حنیفہؒ کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ ہمارے ساتھ ابو یوسف اور محمد بن الحسن بھی ہوتے تھے۔ جو کچھ امام ابو حنیفہ فیصلے فرماتے ہم ان کو لکھ لیا کرتے تھے۔ امام زفر کہتے ہیں کہ ایک دن ابو حنیفہؒ نے ابو یوسفؒ سے فرمایا "یعقوب تیرا ناس ہو جو کچھ تو مجھ سے سنے اسے سب کا سب نہ لکھ لیا کر۔ آج میری رائے کچھ ہوتی ہے اور کل میں اسے چھوڑ دیتا ہوں"۔ ابو نعیم کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ کو ابو یوسفؒ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ سے کوئی مسئلہ نقل نہ کرو۔ کیونکہ بخدا مجھے خبر نہیں کہ میں (اپنے اجتہاد میں) خطا کار ہوں یا مصیب (ایضاً)۔ سہل بن مزاحم کہتے ہیں کہ میں اکثر امام ابو حنیفہؒ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنتا تھا۔ (فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ) یعنی اے پیغمبر! میرے ان بندوں کو بشارت دے دو۔ جو باتوں کو سنتے ہیں۔ پھر ان میں جو اچھی بات ہوتی ہے اس کی پیروی کرتے ہیں۔ (ایضاً ۱۳ صفحہ ۳۵۲)
حسن بن زیاد لؤلؤی کہتے ہیں کہ میں نے خود امام ابو حنیفہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارا یہ قول (فقہ) ایک رائے ہے جو بہتر سے بہتر ہم قائم کر سکے ہیں۔ جو ہمارے قول سے بہتر رائے لا سکے تو وہ ہی

صحت کے زیادہ قریب ہو گی۔ (ایضاً)

امام اعظمؒ کے یہ اقوال آخر کس حقیقت کی نشان دہی کرتے ہیں۔ کیا ان تصریحات سے صاف طور پر یہ واضح نہیں کہ امام موصوف اپنے اجتہاد کو سہو و خطا سے مبرا نہیں سمجھتے تھے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم ان کی فقہی کوششوں کو حرفِ آخر کا درجہ دے دیں۔ اور قیامت تک کے لئے اسے امت کا دستور العمل بنا دیں۔

حالات کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ امام اعظمؒ نے اپنے اجتہاد کے بارے میں یہ کچھ تصریحات فرمائیں اور اس کے بعد وہ کروڑوں انسان جنہوں نے فقہ حنفی کو اپنا کر انہیں اپنا امام تسلیم کیا وہ اس عقیدہ پر جم گئے کہ فقہ حنفی کی حیثیت غیر متبدل ہے۔ حالات کے تقاضوں کی بنا پر اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوا بلکہ آگے بڑھا۔ اور یہ عقیدہ وضع کیا کہ آیاتِ قرآنی کی وہی تفسیر قابلِ قبول سمجھی جائے گی جو فقہ حنفی سے مطابقت رکھتی ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تفقہ و اجتہاد کا وہ عظیم الشان سلسلہ [illegible] مقنن اعظمؒ کے ہاتھوں ہوا تھا منجمد ہو کر رہ گیا۔ یہ سب کچھ نہ صرف منشائے دین کے خلاف تھا بلکہ ان عظیم مقاصد کے بھی سراسر منافی تھا جنہیں امام اعظمؒ لے کر اٹھے تھے اور جن کے باعث انہیں شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔ ابو زہرہ فقہ حنفی کے اسی افسوسناک انجام کا ماتم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> "ہمارا اعتقاد ہے کہ اگر فقہ حنفی میں تخریجِ مسائل کا کام اسی آزادی سے جاری رہتا اور اصحابِ تخریج ائمۂ سلف کی طرح فقہی مسائل میں غور و خوض کرتے رہتے تو موجودہ وقت کی دشواریوں پر بھی بخوبی قابو پایا جا سکتا تھا۔ اور کتاب و سنت یا فقہی اصول و قواعد سے بغاوت اختیار کئے بغیر حالات کے مطابق مسائل کا استنباط ممکن تھا۔ اور یہ آراء یقیناً فقہ حنفی کا ایک جزو بننے کی صلاحیت رکھتے۔ لیکن افسوس کہ عوام پر جمود طاری ہو گیا۔ اور وہ سمجھنے لگے کہ یہ جمود ان کا نہیں بلکہ فقہ اسلامی کا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ نہیں۔
>
> (امام ابو حنیفہؒ۔ صـ۶۹۵)

آگے چل کر وہ مزید آنسو بہاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ

> بدقسمتی کی بات ہے کہ متاخرین نے اس دروازے کو بند کر دیا۔ اور اب ان کے لئے اس کے سوا کوئی کام نہ رہ گیا کہ ترجیح شدہ اقوال و آثار کو سامنے رکھ کر فتویٰ دے دیا کریں۔ اب یہ اس کے مجاز نہیں رہ گئے کہ جن مسائل میں کوئی نص موجود نہیں ہے ان پر اجتہاد کر کے کوئی رائے قائم کر سکیں۔ ان کے نزدیک مذہب مدون ہو چکا۔ کتابیں مرتب ہو چکیں۔ لہٰذا ہر حنفی پر واجب ہے کہ آنکھ بند کر کے تقلید کرتا چلا جائے۔ (ایضاً صـ۲۰۰)

علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے خطبات میں اس افسوسناک صورتِ حال کا تجزیہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ

جائے حیرت ہے کہ موجودہ حنفی علماء نے خود اپنے مکتب فقہ کی روح کے خلاف امام ابو حنیفہؒ اور ان کے رفقاء کے فیصلوں کو ابدی اور غیر متبدل قرار دے رکھا ہے جو عہد رسالتؐ اور صحابہؓ میں پیش آمدہ مقدمات کے سلسلے میں نافذ ہوئے۔ (خطبات اقبالؒ ۔ اسلامی قانون شریعت میں اصول ارتقاء)

سچ پوچھئے تو امام اعظمؒ اور ان کے رفقائے جلیل کی عظیم الشان اجتہادی کاوشیں ہمارے لئے اس مرحلہ پر نشان راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پاکستان پہلے دن سے اسلامی قوانین کی ازسرنو تشکیل کی اہم ضرورت سے دوچار ہے۔ ہمارا قدامت پرست مذہبی طبقہ اس راہ میں ایک مستقل روک بن کر کھڑا ہے۔ اپنی قدامت پسندی اور تفرقہ بازی کے باعث وہ نہ خود اس کا کوئی متفق علیہ حل پیش کرنے کے قابل ہے اور نہ دوسروں کو اس کی اجازت دیتا ہے۔ ان حالات میں اس مرحلہ کو کامیابی سے طے کرنے کی واحد صورت وہی ہے جس کی نشاندہی امام اعظمؒ نے فرمائی تھی اور وہ یہ کہ قرآن کریم کے غیر متبدل اصولوں کی پابندی اختیار کرتے ہوئے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق جزئی قوانین کی تشکیل باہمی مشاورت سے عمل میں لائی جائے۔ اس میں شک نہیں کہ قدامت پرستی کے شور و شر کے پیش نظر یہ راہ اختیار کرنے میں بڑی جرأت اور ہمت درکار ہے۔ لیکن ایسا کئے بغیر ہم ایک قدم بھی کامیابی سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ علامہ اقبالؒ اسی سلسلہ تفصیل میں لکھتے ہیں۔

> مجھے اس میں ذرا سا بھی شبہ نہیں کہ اگر اسلامی قانون سے متعلق ضخیم لٹریچر کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو اس سے دور حاضر کے ناقدین کے اس سطحی خیال کی تردید ہو جائے گی کہ اسلامی قانون جامد اور ناقابل ترقی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک کا قدامت پرست طبقہ ابھی اس کے لئے تیار نہیں کہ قانون سازی کے مسئلے کے متعلق تنقیدی نقطۂ نگاہ سے گفتگو کی جائے۔ اگر کسی نے اس بات کو اٹھایا تو یہ اقدام بہت سے لوگوں کے لئے وجہ ناراضگی ہو جائے گا اور مخالفت کا دروازہ کھول دے گا۔ (خطبات اقبال - ص [illegible])

اس سلسلے میں انہوں نے مزید بتایا ہے کہ

> میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطۂ نگاہ سے زمانہ حال کے جورس پروڈنس پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا وہی اسلام میں مجدد ہوگا۔ اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا محسن بھی۔ ..... افسوس کہ زمانۂ حال کے اسلامی فقہا یا تو زمانہ کے میلان طبیعت سے بالکل بے خبر ہیں یا قدامت پرستی میں مبتلا۔ میری ناقص رائے میں اسلام اس وقت گویا زمانے کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے۔ اور شاید اسلام کی تاریخ میں ایسا وقت کبھی نہیں آیا۔
>
> (اقبال نامہ - جلد اول - ص [illegible])

لیکن پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد وہ وقت اب یقیناً آگیا ہے جس کے متعلق علامہ مرحوم نے اپنے خطبات میں یہ پیشگوئی کی تھی کہ

یہ سوال زود یا بدیر مسلم اقوام کے سامنے آنے والا ہے کہ اسلامی قوانین شریعت میں ارتقاء کی گنجائش ہے یا نہیں۔ یہ سوال بڑا اہم ہے۔ اور بہت بڑی ذہنی جد وجہد کا متقاضی۔ اس سوال کا جواب یقیناً اثبات میں ہونا چاہیئے۔ بشرطیکہ اسلامی دنیا اس کی طرف عمرؓ کی روح کو لے کر آگے بڑھے۔ وہ عمرؓ جو اسلام کا سب سے پہلا حریت پسند قلب ہے۔ وہ جسے رسول اللہؐ کی حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات میں یہ کہنے کی جرأت نصیب ہوئی کہ ـــــ حسبنا کتاب اللہ۔

علامہ اقبالؒ نے اپنے اس خطبہ کے اختتام پر فرمایا تھا کہ

اسلام کا بنیادی تخیل یہ ہے کہ اب وحی کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اس بنا پر ہمیں دنیا کی سب سے زیادہ آزاد قوم ہونا چاہیئے۔ پچھلے زمانے کے مسلمان جو ایشیا سے قبل از اسلام کی روحانی غلامی سے ابھی نئے نئے آزاد ہوئے تھے۔ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ وہ (ختم نبوت کے) بنیادی تخیل کی اہمیت کا صحیح صحیح اندازہ لگا سکتے۔ لیکن دورِ حاضر کے مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اپنی پوزیشن کو اچھی طرح سمجھے۔ (قرآن کے) غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں اپنے معاشرے کی تشکیل جدید کرے۔ اور وہ عالمگیر جمہوریت قائم کرکے دکھائے جو اسلام کی اصل وغایت ہے۔ لیکن جو ابھی تک پورے طور پر بے نقاب ہو کر دنیا کے سامنے نہیں آئی۔

ارضِ پاکستان اس انتظار میں ہے کہ پھر کوئی عمر فاروقؓ، امام اعظمؒ اور اقبالؒ کی روح کو لے کر اٹھے اور قانون سازی کے سلسلے میں اس مملکت کو اس طلسم پیچ و تاب سے نجات دلائے جس میں یہ بدقسمتی سے سترہ برس سے بری طرح گرفتار چلی آرہی ہے۔ اور جس سے نکلنے کی ابھی بظاہر کوئی شکل نظر نہیں آتی۔

آوازۂ حق اٹھتا ہے کب اور کدھر سے ــــ مسکیں دلکم ماندہ دریں کشمکش اندر

ضرورت رشتہ

قرآنی فکر سے وابستہ ایک ۳۴ سالہ (ایم۔ اے انگلش) برسرِ روزگار اور معقول آمدنی والے نوجوان کے لئے ہم فکر و ہم آہنگ تعلیم یافتہ رفیقۂ حیات کی ضرورت ہے۔ تفصیلی خط و کتابت کے لئے پتہ حسب ذیل ہے۔

ق۔ معرفت ادارہ طلوع اسلام ۲۵۔بی گلبرگ۔ لاہور۔

رابطۂ باہمی

(بزمہائے طلوعِ اسلام کی ماہانہ رپورٹیں)

لاہور بزم کے ہفتہ وار اور ماہانہ اجلاس باقاعدگی سے ہو رہے ہیں۔ ان اجتماعات کی وساطت سے قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے مؤثر ذرائع بروئے کار لائے جا رہے ہیں۔ ۲۱ اپریل کی صبح کو بزم کی طرف سے برٹش انسٹی ٹیوٹ ہال میں یومِ اقبالؒ کی تقریب کا اہتمام شایانِ شان طور پر کیا گیا۔ محترم اے۔ حمید صاحب چیف کنٹرولر آف پرچیز ڈی۔ ڈبلیو۔ آر ۔ م نے اجلاس کی صدارت کی۔ تلاوتِ کلام پاک کے بعد محترم نذیر احمد فاروقی نے اپنے مخصوص دلکش انداز سے کلامِ اقبالؒ پیش کیا اور حاضرین پر سحر کی سی کیفیت طاری کر دی۔ صدرِ اجلاس نے علامہ اقبالؒ اور محترم پرویز صاحب کی دعوتِ انقلاب کا تعارف کرایا۔ جس کے بعد پرویز صاحب

آدم کی کہانی ——— اقبالؒ کی زبانی ———

کا موضوع لے کر حاضرین کے سامنے آئے اور حق تو یہ ہے کہ قرآن کریم اور فکرِ اقبالؒ کی صحیح ترجمانی کرتے ہوئے انہوں نے اس موضوع کا حق ادا کر دیا۔ مقامِ آدم، علامہ اقبالؒ کے پیش کردہ فلسفۂ حیات کا نمایاں پہلو ہے اور پھول کی پتیوں کی طرح ان کے خیابانِ شاعری میں جگہ بہ جگہ بکھرا نظر آئے گا۔ مفکرِ قرآن کے اس خطاب کی یہ دلنشیں نادر کاری تھی کہ انہوں نے ان بکھرے ہوئے پھولوں اور پتیوں کو اپنے مخصوص حسنِ انداز سے ایک رنگا رنگ گلدستہ کی صورت عطا کر دی۔ حسنِ خطابت کا یہ انداز اس قدر انوکھا، اچھوتا، دلپذیر اور روح افزا تھا کہ قلب و نگاہ میں تو رو نکہت کی والہانہ کیفیت بپا ہو گئی۔ پورا ایوان وجد و انہماک کے عالم میں جھوم رہا تھا اور بے ساختہ تحسین و آفرین کی صدائیں ہال کے گوشے گوشے میں گونج رہی تھیں۔ مقامِ آدم کے جو گوشے اقبالؒ نے نغمہ و شعر کے حسین انداز میں بیان فرمائے ہیں، مفکرِ قرآن انہیں اپنے مخصوص حسنِ ترتیب سے قرآن کی روشنی میں نکھار اور اُبھار کر حاضرین کے سامنے لا رہے تھے اور آدم کی کہانی کے اپنے پس منظر

اُبھر اُبھر کر شادابیٔ قلب و نگاہ کا وجد آفریں اور حقیقت کشا سماں باندھ رہی تھی۔ پرویز صاحب کا خطاب ختم ہوا تو یوں دکھائی دیتا تھا گویا حاضرین ایک خوابِ شیریں سے انگڑائی لے رہے ہیں اور ان کی آرزو تھی کہ یہ سلسلۂ خواب دراز تر ہوتا چلا جائے۔

لاہور چھاؤنی

بزم کے ہفتہ وار اجلاس جاری ہیں۔ بزم کا تازہ اجلاس ۸۔ مئی کو چوہدری محمد اشرف صاحب کے دولت کدہ پر ہوا۔ اراکین بزم کے علاوہ، خاص دعوت پر کچھ دیگر اہلِ علم حضرات نے بھی اجلاس میں شرکت کی۔ اراکینِ بزم نے گزشتہ ماہ کی کارگذاری کا جائزہ لیا۔ اور آئندہ ماہ کے لئے لائحۂ عمل مرتب کیا۔ جسکے بعد چوھدری محمد اشرف صاحب نے تحریک کے مسلک و مقصد کی وضاحت کی۔ انہوں نے حاضرین کو بتایا کہ وہ حسب ضرورت بزم کی لائبریری سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

بوریوالہ

بزم باقاعدگی سے اپنے اجتماعات کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے۔ ان اجتماعات میں مفہوم القرآن کا سلسلہ اپنے تسلسل سے سامنے آ رہا ہے۔ اور ہم چودھویں پارے کے آخر تک پہنچ گئے ہیں۔ حسب ضرورت بزم کی لائبریری سے تحریک کا لٹریچر بھی مہیا کیا جا رہا ہے۔

ایک قرآنی بھائی کو صدمہ

جن احباب نے مختلف مواقع پر طلوعِ اسلام کنونشن میں شرکت کی ہے وہ قرآنی فکر کے شیدائی صوبیدار یوسف علی صاحب کو بخوبی جانتے ہیں، چک نمبر ۱۹۹ گ ب تحصیل سمندری ضلع لائل پور کے اس فوجی رفیقِ تحریک طلوعِ اسلام سے والہانہ وابستگی اور شیفتگی دیوانگی کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنے برادر بزرگ کو بھی اپنے رنگ میں رنگا ہوا تھا اور اس بنا پر ہر دو بھائیوں کی اخوت اور محبت کا رشتہ انتہا تک پہنچا ہوا تھا۔ یوں سمجھئے اس رشتہ میں دونوں بھائی یک جان و دو قالب کی سی حیثیت اختیار کئے ہوئے تھے۔ ابھی ابھی یہ اطلاع ملی ہے کہ بڑے بھائی کے سانحۂ رحلت نے صوبیدار صاحب کو اخوت اور محبت کی اس متاعِ عزیز سے محروم کر دیا اور ان کے دل پر جو گزری وہ ناقابلِ بیان ہے۔ ادارہ طلوعِ اسلام اپنے اس قرآنی رفیق کے صدمہ پر دلی رنج و ملال اور ہمدردی و تعزیت کا اظہار کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ خدائے جلیل مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور محترم صوبیدار صاحب اور دیگر پسماندگان مرحوم کو صبرِ جمیل سے بہرہ ور فرمائے۔

شریکِ غم

ادارہ طلوعِ اسلام

ڈھاکہ

بزم کا ماہانہ اجلاس محترم نعیم صاحب کے دولتکدہ پر ہوا۔ تلاوت کلام پاک کے بعد اس کا مفہوم (مفہوم القرآن سے) حاضرین کے سامنے پیش کیا گیا۔ احباب نے اس پر اظہار مسرت کیا کہ بزم ماہنامہ طلوع اسلام کے لئے ڈھاکہ سے دو اشتہار فراہم کرنے کے قابل ہوگئی اور امید ظاہر کی کہ دیگر بزمیں بھی اس پر پوری توجہ دیں گی۔

طلوع اسلام کی اشاعت اور تحریک کے لٹریچر کو بنگلہ میں منتقل کرنے کے لئے مختلف اقدامات زیر غور لائے جا رہے ہیں۔ مزید براں شہاب صاحب کے ٹیپ سے پرویز صاحب کے درس قرآن کا سلسلہ نبی حسن صاحب کے ٹرانسسٹر ٹیپ پر منتقل کر کے اسے زیادہ سے زیادہ شائقین تک پہنچانے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔

بزم کا آئندہ اجلاس ۔۔ جون کو (۹½ بجے) شہاب صاحب کے دولت کدہ پر ہوگا۔

پاکستانی صنعت کی ایک تجربہ پیشکش!

نبی ہوزری

کے تیار کردہ بنیائن (گنجیاں) موزے۔ انڈرویئر۔ باڈی۔ بلاوز اور دیگر اشیاء خاص و عام میں

ہر جگہ مقبول اور دستیاب ہیں

نبی ہوزری کی مقبول عام مصنوعات کو اپنی پائیداری۔ دلکشی۔ زیبائش اور مناسب قیمتوں کے اعتبار سے ہر طبقہ میں بڑی شہرت حاصل ہے۔ ان مصنوعات سے عوام کی روز افزوں دلچسپی اور مقبولیت کے پیش نظر نبی ہوزری ٹھیے سے اپنی تازہ ترین مصنوعات کو پیش کر رہی ہے۔ ان مصنوعات کی دل پسند خوبیاں اور اعلیٰ معیار نے ہوزری کی صنعت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

(۱) گلاب گولڈ برانڈ (۲) تالا اور چابی برانڈ (۳) مرغا برانڈ (۴) نائیلون کی جرابیں

ہوزری کا سامان خریدتے ہوئے "نبی ہوزری" کا امتیازی مارکہ یاد رکھیئے۔ یہ اشیاء قابل ترین ماہرین کی نگرانی میں تیار کی جاتی ہیں۔ اور ہر قسم کے نقائص سے پاک ہونے کی بنا پر خریداروں کے اعتماد کی بجا طور پر مستحق ہیں۔

(مغربی پاکستان میں معقول کمیشن پر ایجنٹوں کی ضرورت ہے) ـــــ خواہش مند حضرات بذریعہ خط و کتابت رجوع فرمائیں۔

فون: ۳۰۲۱   گرام :۔ "نبی ہوزری"

نبی ہوزری

آفس: ۲/۳ سکھاری نگر لین۔ پوسٹ فرید آباد۔ ڈھاکہ ۔ ۳۸۔ کالی چرن ساہا روڈ ڈھاکہ ۴

برانچ: ۲/۴۳ ۔ لیاقت ایونیو نرائن گنج۔ مشرقی پاکستان

دیگر مصنّفین و ناشرین کی مشہور کتب

قارئین طلوع اسلام کی ضرورت و سہولت کے پیش نظر ادارہ طلوع اسلام نے اپنی مطبوعات کے علاوہ دیگر مصنفین و ناشرین کی شائع کردہ مشہور کتابوں کی ترسیل کا اپنے ہاں انتظام کیا ہے اس سلسلے میں چند مشہور کتب کی فہرست درج ذیل ہے آپ کو جو کتابیں مطلوب ہوں ادارہ کو لکھئے، خرچ ڈاک قیمت کتب سے الگ ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ۔ امام اعظمؒ پر مشہور مصری عالم محمد ابو زہرہ کی تصنیف۔ رئیس احمد جعفری کا اردو ترجمہ۔ قیمت ۱۵ روپے۔

امام مالکؒ۔ محمد ابو زہرہ مصری کی تصنیف کا اردو ترجمہ۔ ضخامت پانچ صد صفحات قیمت دس روپے۔

امام شافعیؒ۔ محمد ابو زہرہ کی تصنیف اور رئیس احمد جعفری کا اردو ترجمہ۔ ضخامت ساڑھے پانچ صد صفحات قیمت ۱۲ روپے۔

آثار امام محمدؒ و امام ابو یوسفؒ۔ محمد ابو زہرہ کی تحقیقی و تاریخی پیشکش۔ رئیس احمد جعفری کا اردو ترجمہ ضخامت ۶۰۸ صفحات۔ قیمت ۱۲.۵۰ روپے۔

تشکیل انسانیت۔ شہرۂ آفاق مستشرق بریفالٹ کی شہرہ آفاق تصنیف (MAKING OF HUMANITY) کا اردو ترجمہ۔ قیمت -/۵ روپے۔

ابو بکر صدیقؓ۔ مصر کے نامور مورخ محمد حسین ہیکل کی شہرہ آفاق تصنیف کا اردو ترجمہ قیمت ۵ روپے۔

عمر فاروق اعظمؓ۔ محمد حسین ہیکل مصری کی معرکۃ آلآرا تصنیف اردو میں۔ قیمت ۲۰ روپے۔

عمروؓ بن العاص۔ فاتح مصر عمرو بن عاص کے فاتحانہ کارناموں پر مشتمل حسن ابراہیم مصری کی تصنیف کا اردو ترجمہ۔ قیمت -/۵ روپے۔

مسلمانوں کی سیاسی تاریخ۔ حسن ابراہیم مصری کی تصنیف کا اردو ترجمہ۔ قیمت ۱۰ روپے۔

تنقیدات طٰہٰ حسین۔ نامور مصری مورخ اور عالم ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی تصنیف اردو میں۔ قیمت ۴.۵۰ روپے

سر سیدؒ اور اصلاح معاشرہ۔ صفحات ۲۵۵ قیمت ۴.۲۵ روپے۔

حیات محمدؐ۔ مصر کے نامور مورخ اور صحافی محمد حسین ہیکل کی تاریخی پیشکش اردو زبان میں۔ صفحات ۱۲۴۱ قیمت ۲۲.۵۰ روپے۔

تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ علامہ اقبالؒ کے انگریزی خطبات کا اردو ترجمہ۔ قیمت -/۸ روپے۔

ادارہ طلوع اسلام

۲۵ بی۔ گلبرگ لاہور

پٹسن کی مصنوعات تیار کرنے والوں میں

★ ایک ممتاز اور نمایاں مقام کے حامل ★

لطیف باوانی جوٹ ملز لمیٹڈ
ڈھاکہ

اس ادارہ کے تیار کردہ تھیلے - بوریاں - سوتلیاں اور ٹاٹ کی دیگر اشیاء وغیرہ دنیا کے مختلف گوشوں میں بھیجے جاتے ہیں اور دنیا کے ہر حصے میں ویسے ہی مقبول عام ہیں جیسے اپنے گھر میں۔

مینجنگ ایجنٹس

احمد برادرز لمیٹڈ ۳۵ - ۳۶ جناح ایونیو - رمنا ڈھاکہ

تار کا پتہ :- "باوانی" ——— فون نمبر ۲ - ۶۷۳۱

کراچی آفس :- بینک ہاؤس حبیب اسکوائر بندر روڈ کراچی

کیا مضاربت اور مزارعت بھی سُود نہیں؟

(چوہدری محمد اسمٰعیل اور مودودی صاحب کی خط و کتابت)

فروری ۱۹۶۲ء کے طلوعِ اسلام میں، ہم نے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے مقالہ "تحقیقِ ربوٰا" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ہمارے موجودہ قانونِ شریعت کی یہ عجیب بوالعجبی ہے کہ اس کی رُو سے سود تو حرام ہے لیکن مضاربت اور مزارعت بالکل جائز ہیں حالانکہ یہ بھی سود ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ مضاربت کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص روپیہ لگائے اور دوسرا کاروبار کرے اور روپیہ لگانے والا کاروبار کے منافع میں شریک ہو اور مزارعت یہ ہے کہ زمیندار اپنی زمین کاشت کے لئے مزارع کو دے۔ اور پیداوار کا ایک حصہ لے لے۔ ہمارے مذہب پرست طبقہ کی طرف سے ان اعتراضات کا کوئی جواب ہماری نظروں سے نہیں گزرا۔ اب محترم چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب نے ہمیں اپنی خط و کتابت کی ایک نقل برائے اشاعت بھیجی ہے جو انہوں نے سنہ ۱۹۶۲ء میں اس موضوع پر مودودی صاحب کے ساتھ کی تھی۔ چونکہ معاشیات سے متعلق مسائل قوموں کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور اس سوال نے آج کل ویسے بھی بڑی اہمیت اختیار کر رکھی ہے کہ بنک کا سود جائز ہے یا ناجائز۔ اس لئے ہم اس خط و کتابت کو بغرضِ افادۂ عام، طلوعِ اسلام میں شائع کرتے ہیں۔ (طلوعِ اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بخدمت جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب۔

جناب مولانا۔ السلام علیکم و رحمتہ اللہ۔

گزارش ہے کہ آپ نے بڑی شدت سے سود کی مذمت کی ہے۔ اس کے نقصانات بیان کئے ہیں اور

اس کے خلاف نہایت دردول سے دلائل دئے ہیں اور اس حقیقت کو آشکار کیا ہے کہ سود کلی طور پر اسلامی تعلیم اور نظم معیشت کے منافی ہے۔ بایں سود کو ختم کرنے کے لئے جو تجویز آپ پیش کرتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ سود کو نفع بناکر کھایا جائے۔

سود کو نفع بنانے کا جو طریق آپ نے بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ "بنک اپنے سرمایہ کو سودی قرض پر چلانے کی بجائے اپنے کھاتہ داروں کی اجازت سے بڑی اچھی طرح مضاربت کے اصول پہ تجارتی کاروبار میں صنعتی اسکیموں میں زراعتی کاموں میں اور پبلک اداروں اور حکومتوں کے نفع آور کاموں میں لگائیں پھر جو منافع ان ذرائع سے بنکوں کو حاصل ہوں ان کو وہ اپنے انتظامی مصارف نکالنے کے بعد ایک مقررہ تناسب کے مطابق اپنے حصہ داروں اور کھاتہ داروں میں تقسیم کردیں"

آپ کی اس تجویز سے متعلق چند سوالات پیش کرتا ہوں امید ہے آپ ان پر روشنی ڈال کر مشکور فرمائینگے۔

(۱) بنک یا دیگر لوگ سودی قرض پر روپیہ چلائیں یا مضاربتی منافع پر وہ بلا محنت مشقت دوسروں کی کمائی میں شریک ہونے میں بالکل مساوی ہیں۔

مضاربتی منافع بھی انہی ناداروں اور حاجتمندوں کی کمائی میں سے وصول ہوگا جن کی کمائی میں سے سود وصول کیا جاتا ہے۔

جس طرح سود خور اپنا روپیہ سود حاصل کرنے کے لالچ سے دوسروں کے حوالے کرتا ہے عین اسی طرح مضاربتی منافع خوار بھی اپنا روپیہ منافع حاصل کرنے کی غرض سے دوسروں کے حوالے کریگا۔ اس سے واضح ہے کہ دونوں کی ذہنیت یکساں ہے۔

جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے "چونکہ (مضاربتی) نفع کا امکان غیر معین اور غیر محدود ہوگا اس لئے عام شرح سود کی بہ نسبت کم نفع حاصل ہونے کا جس قدر امکان ہوگا اسی قدر اچھا خاصا زیادہ نفع ہونے کا امکان بھی ہوگا۔ اس سے واضح ہے کہ مضاربتی منافع خوار سود خور کی بہ نسبت کسی طرح بھی کم خونخوار نہیں ہوگا۔

مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر کیا سود اور مضاربتی منافع اپنی کیفیت و ماہیت اور روح کے اعتبار سے بالکل مساوی نہیں؟

(۲) کیا یہ سود دہندہ کے ساتھ ظلم بے انصافی اور دھوکہ نہیں کہ اس کی جس کمائی پر سود کے نام پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے وہی کمائی منافع کے نام سے ہتھیالی جائے؟

(۳) کیا سود کو منافع بنانے کی یہ تجویز جو آپ نے بیان فرمائی ہے قرآن کریم میں کہیں مذکور ہے یا حدیث شریف میں کہیں یہ ارشاد ہے کہ اے مسلمانو! حرام سود کو منافع بناکر کھایا کرو؟

(۴) مضاربتی منافع میں بھی شرح اور مدت تو ہوتی ہے گو اس کا اظہار سود سے ذرا مختلف طریق پر کیا جاتا ہے لیکن آپ مضاربتی منافع کو سود سے مستثنیٰ کرنے کے لئے شرح اور مدت کو سود کے ساتھ مشروط کرتے ہیں لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ

(الف) کیا شرح اور مدت میں سود کے خواص موجود ہیں ؟

(ب) کیا شرح اور مدت کا اظہار کئے بغیر سود، سود نہیں رہتا۔ اور اس کے خواص میں کوئی تبدیلی ہو جاتی ہے ؟

(ج) شرح اور مدت زکوٰۃ جیسے مقدس فریضہ۔ تنخواہ اور مزدوری جیسے واجبات کرائے اور ٹیکس وغیرہ کی مالیت معلوم کرنے کے لئے بھی بطور پیمانہ استعمال ہوتے ہیں۔ کیا اس سے یہ بات اظہر من الشمس نہیں کہ شرح اور مدت محض سود کی مالیت ناپنے کا پیمانہ ہیں نہ کہ سود کا جز یا شرط ؟

(د) کیا گز، سیر اور نرخ جو کپڑا اور گیہوں کی مالیت معلوم کرنے میں استعمال ہوتے ہیں کپڑا اور گیہوں کے ساتھ مشروط ہوتے ہیں۔ کیا ناپ تول کے بغیر کپڑا اور گیہوں اپنی اصلیت کھو دیتے ہیں یا ان کے خواص میں کوئی تبدیلی ہو جاتی ہے ؟

(ر) کیا آپ کوئی ایسی آیت پیش کر سکتے ہیں جس میں شرح اور مدت کو سود کے ساتھ مشروط کیا گیا ہو یا کوئی ایسی حدیث شریف ہے جو شرح اور مدت کو سود کا جز یا شرط قرار دے۔

(ز) کیا ابوسعید خدری والی حدیث میں کوئی شرح اور مدت مذکور ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو صاع گھٹیا قسم کی کھجور کے بدلے ایک صاع بہتر قسم کی کھجور لینے کو قطعی سودی معاملہ قرار دیا ہے۔

(۵) سودی قرض کے معاملے میں ایک آدمی دوسرے آدمی کو روپے دیتا ہے اور اس کو کہتا ہے کہ میں تم سے (مثلاً) دس روپے سیکڑا سالانہ کے حساب سے سود لوں گا یعنی میں تم کو اپنا سرمایہ دے کر تمہاری کمائی میں شریک ہوتا ہوں تم خواہ میرے روپے سے کتنی زیادہ دولت کما لو تو بھی میں تم سے دس روپے سیکڑا سالانہ ہی لینے پر اکتفا کروں گا۔

مضاربتی معاملہ میں ایک آدمی دوسرے آدمی کو اپنا روپیہ دیتا ہے اور اس کے ساتھ شرط کر لیتا ہے کہ میں تمہاری کمائی میں بطور ربّ المال حصہ دار شریک ہوں جس قدر بھی تم سال بھر میں دولت کماؤ گے میں اس میں سے نصف لے لوں گا۔

غور فرمایئے کیا سودی معاملہ اور مضاربتی معاملہ ایک دوسرے پر ٹھیک منطبق نہیں ہوتے ؟

(ب) کیا دونوں معاملات میں اصل زر شرح مدت اور دوسرے کی کمائی میں بلا محنت مشقت شریک ہونا مساوی نہیں ؟

(ج) اب سودی اور مضاربتی معاملات میں گھاٹے کی صورت ملاحظہ کیجیے۔

کاروبار بند کرنے کی صورت میں:۔

سودی معاملہ میں مقروض کو گھاٹا پڑ جاتا ہے۔ تو قارض کو لازماً گھاٹا برداشت کرنا پڑے گا اس کا سود بھی مارا جائے گا۔ اور اصل زر میں بھی ٹوٹا پڑ جائے گا کیونکہ مقروض کے پاس تو ہے ہی کچھ نہیں۔ اس کا تو دیوالہ نکل چکا ہے۔

مضاربتی معاملے میں بھی گھاٹے میں عین وہی صورت ہے جو سودی معاملہ میں ہے۔ مضاربتی منافع خور کا منافع مارا جائے گا اور اصل میں بھی خسارہ برداشت کرنا پڑے گا۔

کاروبار جاری رکھنے کی صورت میں معمولی الٹ پھیر کے ساتھ سود خور اور منافع خور دونوں بدستور سابق سود اور منافع حاصل کرتے چلے جائیں گے۔

سودی معاملہ میں چونکہ فریقین ایک مقررہ رقم لینے دینے پر رضامند ہوتے ہیں اس لئے نفع نقصان میں شرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سود خور نہ زیادہ منافع میں شریک ہوتا ہے اور نہ نقصان کا ذمہ لیتا ہے۔ اور مضاربتی معاملہ میں چونکہ فریقین منافع تقسیم کرنے پر متفق ہوتے ہیں لہذا وہاں نقصان کی شرکت کا بھی سوال ہوتا ہے اور بقول آپ کے چونکہ مضاربت میں نفع کا امکان غیر معین اور غیر محدود ہوتا ہے اس لئے عام شرح سود کی بہ نسبت کم نفع حاصل ہونے کے جس قدر امکان ہوتا ہے اسی قدر اچھا خاصا زیادہ نفع ملنے کا امکان بھی ہوتا ہے لہذا مضاربتی منافع خور نقصان میں شرکت کی شرط بھی قبول کر لیتا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ سود خور اور مضاربتی منافع خور بلا محنت و مشقت دوسروں کی کمائی میں سے حصہ لینے کی غرض سے ہی ان کو اپنا روپیہ دیتے ہیں۔

۶۔ کیا قرض حسنہ دینے والی ذہنیت اور مضاربتی منافع خوری کرنے والی ذہنیت متضاد نہیں؟

۷۔ اگر اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان مسلمان کو قرض حسنہ دے تو کیا وہ مضاربتی منافع خور بننے کی اجازت دے سکتا ہے۔ کیا اس اجازت سے قرض حسنہ دینے کی ترغیب ختم نہیں ہو جاتی؟

۸۔ جب ادھر مضاربتی بے کار حصہ دار (SLEEPING PARTNER) سے سرمایہ لے کر اس کو زیادہ منافع دینا پڑے اور ادھر کم شرح سود پر روپیہ دستیاب ہو سکے تو لوگ کیوں نہ خوشی سے سودی لین دین کو ترجیح دیں۔ کیا اس سے واضح نہیں کہ دستور مضاربت، سودی دستور کو دعوت اور تقویت دیتا ہے؟

۹۔ سودی اور مضاربتی معاملات کے مختلف پہلوؤں پر نگاہ ڈالتے اور ان کا تجزیہ اور مقابلہ کر کے دیکھنے کے بعد کیا یہ حقیقت واضح نہیں ہو جاتی کہ مضاربتی منافع حقیقت میں سود ہی کی ایک شکل ہے اور

سودی معاملہ بھی دراصل آپ کی بیان کردہ مضاربت کی ہی دوسری صورت ہے اور جس سوسائٹی میں بطور بے کار حصہ دار (SLEEPING PARTNER) مضاربتی منافع خوری جائز ہوگی اس سوسائٹی میں سودی لین دین کا رہنا لازمی امر ہوگا۔ کیونکہ سود مضاربتی معاملات کی دقتوں اور ناہمواریوں کو دور کرنے میں مفید ہوتا ہے۔

(۱۰) قرآن کریم میں ارشاد ہے فلکم رؤس اموالکم۔ تمہارے لئے تمہارے اصل مال ہیں کیا اس آیت سے صاف عیاں نہیں کہ آدمی صرف اپنے اصل مال کا حقدار ہے۔ یعنی اگر کوئی آدمی کسی کو کوئی مال قرض ادھار برائے استعمال یا مبادلہ میں دے تو وہ صرف اپنے مال یا اپنے مال کی مالیت کا مال ہی لینے کا حقدار ہے۔ اپنے مال سے یا اپنے مال کی مالیت کے مال سے جو کچھ وہ زائد لے گا وہ ربوا (سود) ہے؟ (لفظ مال ملاحظہ ہو)۔

(۱۱) کیا مذکورہ بالا آیت سود کی مکمل حدبندی نہیں کرتی۔ کیا یہ سود کی ان سب صورتوں پر حاوی نہیں جو احادیث شریف میں آئی ہوں یا کسی نے بیان کی ہوں۔ کیا سود کی اس جامع اور مکمل تعریف کے ہوتے ہوئے کسی من گھڑت تعریف کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

(۱۲) کیا یہ قرآن کریم کا علمی اور ادبی معجزہ نہیں کہ تین لفظوں میں سود کی مکمل تشریح کر گیا ہے؟

(۱۳) کیا اس آیت میں کوئی تشنگی۔ تشریح طلب امر یا ابہام ہے۔ کیا یہ آیت سود کو منافع بنا کر کھانے کی گنجائش چھوڑتی ہے۔ یا ہر قسم کے سود خوروں کا ناطقہ بند کر دیتی ہے؟

(۱۴) کیا مضاربتی (بطور بے کار حصہ دارانہ) منافع کسی کو برائے استعمال دئے ہوئے مال سے زائد وصول کرنا نہیں۔ کیا یہ فلکم رؤس اموالکم کی حد سے تجاوز کرنا نہیں؟

(۱۵) صدقات وزکوٰۃ کا مطلب ہے اپنی محنت کی حلال کمائی میں سے ناداروں اور حاجت مندوں کو دینا۔ اور منافع کرائے۔ حصے اور بٹائی وغیرہ کا مطلب ہے ناداروں اور حاجت مندوں کی کمائی میں سے لینا۔ یہ دونوں باتیں بالبداہت متضاد ہیں۔ لہٰذا یہ کس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک طرف صدقات وزکوٰۃ کا حکم دے اور دوسری طرف کرائے۔ حصے۔ بٹائی اور منافع خوریوں کی اجازت بخشے۔ کیا اس سے صدقات و زکوٰۃ کی ادائیگی اور سود کی حرمت کے احکام بے معنی، بے مقصد اور کالعدم نہیں ہو جاتے۔ جیسا کہ امر واقع ہے؟

(۱۶) خواہ جائداد مملوکہ ہو یا مرہونہ، جہاں تک اس پر مزارع یا کرایہ دار کا تعلق ہے وہ بالکل یکساں ہے۔ پھر وہ کون سی وجہ ہے کہ مملوکہ جائداد والا اگر مزارع یا کرایہ دار کی کمائی کھائے تو جائز اور مرہونہ جائداد والا کھائے تو ناجائز مزارع یا کرایہ دار کی کمائی کھانے میں تو دونوں یکساں ہیں؟

(۱۷) کیا اسلام نے ناداروں اور حاجت مندوں کے لئے (جن کے پاس اپنے ذرائع پیدا دار نہیں

اور جو قوت محنت فروخت کرکے اپنا پیٹ پالنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں) ذرائع پیداوار مہیا کرنے کا کوئی انتظام کیا ہے یا نہیں؟

(۸) کیا صدقات و زکوٰۃ سے نادار و حاجت مند کو گداگری سکھانا مقصود ہے یا منظم طریق پر ذرائع پیداوار مہیا کرکے اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا؟

(۹) کیا مروجہ نظام معاشیات سراسر سودی اصول پر مبنی نہیں اور اس کے ہر شعبے میں سرمائے کی مختلف صورتوں کے استعمال کا معاوضہ لینے کا سودی اصول کارفرما نہیں؟

چٹھی ہذا کی رسید سے مطلع فرماکر مشکور فرمائیں۔

والسلام

مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۶۳ء

خاکسار

چوہدری محمد اسمٰعیل

769/J تیلی محلہ۔ مری روڈ۔ راولپنڈی

جواب منجانب مولانا مودودی صاحب

باسمہ سبحانہ

اچھرہ۔ لاہور

۱۵ فروری ۱۹۶۲ء

محترمی و مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا طویل عنایت نامہ ملا۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ آپ کے اوپر اپنے خیالات کا اس قدر غلبہ ہے کہ آپ دوسرے کی کتاب پڑھتے وقت اس کے خیالات کو سمجھنے کی سرے سے کوشش ہی نہیں کرتے۔ اگر آپ نے سود کے خلاف میرے اعتراضات پر غور کیا ہوتا تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ سود اور مضاربت اور مزارعت میں کیا فرق ہے۔ اور جو اعتراضات سود پر وارد ہوتے ہیں وہ ان دونوں طریقوں پر کیوں وارد نہیں ہوتے؟

خاکسار

ابوالاعلیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدومی جناب مولانا۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ!

آپ کا مختصر نوازش نامہ باعث مسرت ہوا۔ مودبانہ گزارش ہے کہ میں ہمیشہ اختلاف رائے کی قدر کرتا ہوں اور دوسرے کی کتاب ٹھنڈے دل سے پڑھتا ہوں اور اس پر غور کرتا ہوں تاکہ جو بات حق ہو اس کے پانے سے محروم نہ رہوں۔ میں نے آپ کی کتابوں کو غور سے پڑھا ہے اور سود کے خلاف آپ کے اعتراضات پر بھی غور کیا ہے۔ سود۔ مضاربت۔ مزارعت اور نفع وغیرہ میں جو فرق آپ نے بیان فرمایا ہے وہ بھی مجھے معلوم ہے مگر گزارش ہے کہ میرے سوالات اس فرق سے متعلق نہیں جو آپ نے سود مزارعت اور مضاربت میں بیان فرمایا ہے بلکہ اس بنیادی اور جوہری مشابہت مماثلت اور یکسانیت سے متعلق ہیں جو کہ سود اور خالص منافع کرائے، حصے اور بٹائی وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔ خالص منافع کرائے حصے بٹائی اور سود ایک ہی قبیل سے ہے۔ یہ سب ہی سرمایہ کی مختلف شکلوں کے استعمال کا عوضانہ ہیں ان سب کی مالیت شرح اور مدت کے پیمانے سے ہی ماپی جاتی ہے۔ سرمایہ بشکل نقدی سرمایہ بشکل زمین۔ دکان، مشین اور دیگر اشیاء سے بہ لحاظ مالیت کوئی مختلف شے نہیں۔ سرمایہ مختلف صورتوں سے نقدی کی صورت میں اور نقدی سرمائے کی مختلف صورتوں میں منتقل کرتے ہیں۔ نقدی یعنی روپیہ تو صرف تبادلہ اشیاء کا ذریعہ ہے۔ اسے کوئی بنیادی حیثیت حاصل نہیں۔ سودی قرض لے کر بھی روپیہ کو مختلف ذرائع پیداوار کی صورت میں تبدیل کر کے اور ان ذرائع پیداوار پر محنت کر کے ہی سود پیدا کیا جاتا ہے۔ سود خور روپیہ کو ذرائع پیداوار کی صورت میں منتقل کر کے سود دہندہ کو دے یا سود دہندہ خود روپیہ لے کر اس کو ذرائع پیداوار میں منتقل کر کے ان پر محنت کرے۔ سود دہندہ اپنے مقام پر محنت کرے یا سود خور کے مقام پر محنت کرے۔ شرح کا تعین پہلے کیا جائے یا پیچھے ان سب صورتوں میں کوئی جوہری فرق نہیں پڑتا۔ سود دہندہ کی محنت کا ایک حصہ تو بہر صورت سرمایہ کے استعمال کے عوضانہ میں لے لیا جاتا ہے۔ شریعت کا تو حکم ہے کہ جس میں سود کا شبہ ہو اسے بھی چھوڑ دو۔ یہاں تو مروجہ نظام معاشی بھی سودی اصول پر مبنی ہے اور تمام ماہرین معاشیات اس بات کے گواہ ہیں۔ یہ جدا بات ہے کہ وہ اسے کرشل انٹرسٹ کے نام سے موسوم کر کے جائز کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ صدقات وزکوٰۃ کے احکام سے واضح ہے کہ ہر نادار و حاجت مند کو ذرائع پیداوار مہیا ہوں تاکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر دوسروں کی اقتصادی غلامی سے نجات پائے۔ اگر نظام زکوٰۃ قائم ہو جائے تو زرِ زکوٰۃ سے ذرائع پیداوار میں باسانی اس قدر توسیع ہو سکتی ہے کہ ہر فرد بشر ذرائع پیداوار مہیا ہونے کے فکر سے آزاد ہو جائے۔ ایسی صورت میں

نہ کوئی مزارع رہے اور نہ حل مزدور۔ اور سودی نظام لازماً ختم ہو جائے۔

سودی نظام کا تقاضا ہے کہ ایک طرف ذاتی ضرورت سے زائد ذرائع پیداوار ہوں اور دوسری طرف ذرائع پیداوار سے محرومی اور حاجتمندی ہو۔ اور نظام زکوٰۃ کا تقاضا ہے کہ ہر فرد کو ذرائع پیداوار مہیا ہوں۔ لہذا نہ سودی نظام میں زکوٰۃ چل سکتی ہے اور نہ نظام زکوٰۃ میں ثانی کر سکے۔ منافع اور سود خوریوں یعنی بلا محنت و مشقت دوسروں کی کمائی خوری کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

میں نے دو عدد کتب "مروجہ معاشیات اور اسلام" عرصہ ہوا آپ کی خدمت میں برائے تبصرہ ارسال کی تھیں جس میں میں نے اس مسئلہ کو صاف کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ از راہ کرم اس کو بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اور میری سابقہ چٹھی کے سوالات پر بھی غور کر کے شکریہ کا موقع عنایت کیجئے۔ جواب سے مشکور فرمائیں۔ والسلام۔

مورخہ ۲۵ فروری سنہ ۶۳ء　　خادم

چوہدری محمد اسمٰعیل

۷۶۹/ڈ تیلی محلہ۔ مری روڈ۔ راولپنڈی شہر

چٹھی ہذا کا آج تک جواب نہیں آیا۔

محمد اسمٰعیل

قرآنی حقائق کا لغیر انسائیکلوپیڈیا　**لغات القرآن**　(چار جلدوں میں)

۱۸۰۰ صفحات پر پھیلا ہوا قرآنی الفاظ و معانی کا یہ عظیم الشان سلسلہ قرآن کریم کے پیش کردہ حقائق و بصائر کو سمجھنے اور سمجھانے کے اعتبار سے ایک سعی بلیغ اور تاریخی کاوش فکر کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن کے ایک ایک لفظ کی تشریح مستند کتب لغات اور خود قرآن کریم سے اس انداز سے کی گئی ہے کہ اس سے قرآن کی تعلیم اور نظام نکھر اور ابھر کر نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ (جلد اول۔ دوم، سوم ۱۵ روپے فی جلد۔ چہارم ۱۲ روپے مکمل سیٹ ۵۷ روپے) ادارہ طلوع اسلام ۲۵ بی گلبرگ لاہور سے بھی مل سکتی ہے۔

اقبالؒ — بہ حیثیت شاعرِ انقلاب

اقبالؒ محض شاعر نہیں تھا۔ وہ ایک مفکر اور داعیٔ انقلاب تھا۔ اس نے شعر کی زبان کو اپنی فکر اور دعوت کا ذریعہ بنایا تھا۔ ان کی فکر اور دعوت کا سرچشمہ قرآن کریم تھا۔ وہ انسانی ہیئتِ اجتماعیہ کو ان خطوط پر متشکل کرنے کے متمنی تھے جنہیں قرآن نے انسانی معاشرہ کو جنتِ ارضی میں تبدیل کرنے کے لئے متعین کیا ہے۔

طلوعِ اسلام نے علامہ اقبالؒ کو ہمیشہ اسی رنگ میں پیش کیا ہے اور انہیں اسی رنگ میں پیش بھی کیا جانا چاہیئے۔ لیکن یہ دیکھ کر افسوس بلکہ صدمہ ہوتا تھا کہ حضرت علامہؒ کی یہی حیثیت نگاہوں سے اوجھل ہوتی جا رہی ہے۔ (اور قرائن سے مترشح ہوتا ہے کہ ایک خاص پروگرام کے ماتحت ایسا کیا گیا ہے) اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی حیثیت محض ایک شاعر کی رہ گئی ہے۔ ان کا پیام، قوالوں کے لئے مخصوص ہوتا جا رہا ہے اور یومِ اقبالؒ کی سالانہ تقریب رفتہ رفتہ "عرس" میں بدلتی جا رہی ہے۔

بارے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس سال لاہور کے یومِ اقبالؒ کی ایک تقریب میں اقبالؒ کو ایک پیغامبرِ انقلاب کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ اور پیش کیا گیا خود ان کے جواں سال صاحبزادہ ڈاکٹر جاوید اقبال کی طرف سے۔ ہم ان کے اس مقالہ کو (معاصر نوائے وقت کے حوالے سے) درج ذیل کرتے ہیں۔ چونکہ ہم قرآن کریم کے اس معاشی نظام کو جس کا احیاء علامہ اقبالؒ چاہتے تھے اور جس کے لئے انہوں نے ایک آزاد خطۂ زمین کا مطالبہ پیش کیا تھا، بہ تکرار و بہ تفصیل پیش کرتے چلے آ رہے ہیں، اس لئے ہمیں امید ہے کہ قارئین طلوعِ اسلام کے لئے، قرآن کریم کے اس مفہوم کا سمجھنا مشکل نہیں ہو گا جسے حضرت علامہ کے اشعار میں اشارات اور استعارات کے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مقالہ کے بعض مقامات میں نوا کی "تلخی" صاحب مقالہ کی شدتِ احساس اور عمر کا تقاضا ہے۔ (طلوعِ اسلام)

" گزشتہ چند برسوں سے اس ملک کے حالات ایک ہی محور کے گرد چکر کاٹ رہے ہیں۔ گردشِ ایام میں سے ایک یومِ اقبالؒ بھی ہے، جو ہر سال آتا ہے۔ اور گزر جاتا ہے۔ حوادث کے گرداب میں کشتیٔ پاکستان کبھی ابھرتی اور ڈوبتی دکھائی دیتی ہے۔ ظاہر میں ہر چہرے پر اس سکون و اطمینان کے آثار ہیں جو بعد از مرگ طاری ہوتا ہے لیکن باطن میں کس کس نوع کی بجلیاں مدفون ہیں، کوئی قیاس آرائی کرسکنا محال ہے۔

علامہ اقبالؒ کے نام سے اگرچہ بیشتر پاکستانی مانوس ہیں مگر جہاں تک ان کے مقصد و مفہوم کا تعلق ہے۔ اس کا تصور ہماری معاشری زندگی کے مختلف طبقوں میں جدا جدا ہے۔ عوام کی نگاہ میں حضرت علامہ اس لئے مقبول ہیں کہ وہ شیدائے اسلام، عاشقِ رسولؐ اور مصورِ پاکستان تھے۔ صاحبِ ثروت طبقہ اقبالؒ کا نام محض اس لئے جانتا ہے کہ یہ نام پاکستان میں اکثر سننے میں آتا ہے۔ سیاست دان اس نام سے واقف ہیں کیونکہ ان کی ذاتی اغراض کے حصول کے لئے سودمند ثابت ہوسکتا ہے۔ پاکستان کے مغرب زدہ یا نام نہاد اشتراکی دانش وروں کی نظر میں اقبال ایک رجعت پسند شاعر تھے جنہوں نے بیسویں صدی میں اسلام کا تذکرہ کرکے نہ صرف ہندوستان کے حصے بخرے کرائے بلکہ پاکستان کی ارتقاء کے سب رشتے مسدود کرگئے۔ حضرت علامہؒ پر بہت کچھ تحریر کیا جاچکا ہے۔ ان کی شاعری، فلسفہ، اخلاقیات اور الٰہیات پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن ابھی تک انہیں بحیثیت نقیب و داعیٔ انقلاب و مفکر پیش کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ حالانکہ وقت کا تقاضا یہی ہے کہ ان کے فکر کے اس خصوصی پہلو کو نمایاں طور پر پاکستانیوں کے سامنے رکھا جائے۔ اقبالؒ کس قسم کے انقلاب کے متمنی تھے؟ کیا اس ملک میں ایسا انقلاب برپا ہوا ہے؟ یا اس کے موہوم آثار تک بھی پیدا ہوئے ہیں؟

اقبالؒ کے پیغام کی اصل روح آئینِ پیغمبرؐ کے تحت ایک ایسا معاشرہ وجود میں لانا ہے جو اخوت، مساوات اور عزتِ نفس کی بنیادی قدروں پر مبنی ہو تاکہ معاشی انصاف کا حصول ممکن ہوسکے۔ ان کے نزدیک آئینِ پیغمبرؐ غریب و نادار کا دستگیر ہے لیکن سرمایہ دار کے لئے موت کا پیغام ہے ؎

چیست قرآں؟ خواجہ را پیغامِ مرگ
دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ

لیکن عصرِ حاضر کی مسموم اور زہر آلود فضا بھی علامہ کی بصیرت سے پوشیدہ نہ تھی۔ فرماتے ہیں ؎

من درونِ شیشہ ہائے عصرِ حاضر دیدہ ام
آنچناں زہرے کہ از وے مارہا در پیچ و تاب

انقلاب!
انقلاب!! انقلاب!!!

انہیں احساس تھا کہ سرمایہ دار کیونکر مزدور کا خون چوستا ہے اور مزارع کی کھیتی کس طرح زمیندار کے ہاتھوں برباد ہوتی ہے ؎

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب

انقلاب!
انقلاب!! انقلاب!!!

میر و سلطان بساطِ اقتدار پر ایسی شاطرانہ اور ساحرانہ چالیں چل رہے ہیں اور جو ایسی مہلک ہیں کہ محکوموں کے تن سے جان بھی جا رہی ہے لیکن محکوم محوِ خواب ہیں ؎

میر و سلطاں نرد باز و کعبتینِ شان دغل
جانِ محکوماں ز تن بردند و محکوماں بخواب

انقلاب!
انقلاب!! انقلاب!!!

اس مقصد کے حصول کی خاطر علم کو کس طرح سازش سازیوں کے لئے استعمال میں لایا جاتا ہے شیطانیت کیونکر عزت کے مراتب حاصل کرتی ہے اور نیکی کیونکر ذلیل و خوار ہے ؎

اے مسلماناں فغاں از فتنہ ہائے علم و فن
اہرمن اندر جہاں ارزان و یزداں دیریاب

انقلاب!
انقلاب!! انقلاب!!!

بہرحال ان سب مشکلات کے باوجود علامہ کو یقین تھا کہ ایک دن کمزوروں اور ناداروں میں بھی شیروں ایسی قوت پیدا ہوگی اور پانی کے بلبلوں سے بھی شعلے لپکیں گے ؎

با ضعیفاں گاہ نیروئے پلنگاں می دہند
شعلۂ شاید بروں آید ز فانوسِ حباب

انقلاب!
انقلاب!! انقلاب!!!

کارل مارکس اور اسلام

کارل مارکس نے مذہب سے اس لئے انحراف کیا کہ اس کے قول کے مطابق مذہب سرمایہ دار کے ہاتھ میں ایک ایسا حربہ ہے جس کے ذریعہ وہ بیکس و نادار کو اپنی حالت پر مطمئن رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ گویا امیر غریب سے کہتا ہے کہ تم اپنے حال پر قانع رہو کیونکہ خداوند تعالیٰ نے تمہیں ایسے ہی بنایا ہے مگر یہ سبق ہمیں قرآن میں کہیں بھی دکھائی نہیں دیتا بلکہ بار بار ایک ایسا معاشرہ وجود میں لانے کی تنبیہ کی گئی ہے جس میں کوئی بھی بھوکا نہ رہے۔ کوئی بھی ننگا نہ رہے۔ ہر ایک پر علم کے دروازے کھول دئے جائیں اور لوگ شفاخانوں کے سامنے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جانیں نہ دیں۔ اسی بنا پر علامہ کی نگاہ میں اسلام ایک معاشی نظام ہے۔ یہی معاشی نظام شرع پیغمبر یا آئین پیغمبر ہے جس کی احیا سے ابلیس خائف ہے۔ علامہ کی مشہور و معروف نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" اپنے ذہن میں لایئے تو بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ابلیس کو خوف ہے کہ ہمارا آئین پیغمبر ایک روز نافذ ہو جائے اور منتشر ملت۔ اخوت۔ مساوات اور عزت نفس پر مبنی اس معاشرہ کو وجود میں لانے میں کامیاب ہو جائے جو اسے وحدت کے ساتھ ساتھ معاشی انصاف بھی دے سکے۔ پس اس کی روک تھام کے لئے ابلیس اپنے سیاسی فرزندوں کے نام کیا فرمان جاری کرتا ہے ؎

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
اہل حرم سے ان کی روایات چھین لو
آہو کو مرغزار ختن سے نکال دو
اقبالؔ کے نفس سے ہے لالہ کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو!

لینن اور نظریہ اقبالؒ

علامہ نے لینن کے منظر پر بھی فکر کیا تھا ان کے خیال میں جو روحانی تباہی لینن کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوئی وہ بے ثمر مذہب سنگ دل سرمایہ داری نظام اور مغربی شہنشاہیت کا لازمی نتیجہ تھا۔ اس لئے "لینن خدا کے حضور میں" بھی اپنی گفتار کے اسلوب پر قابو نہ رکھ سکا۔ اور جرأت سے گویا ہوا ؎

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تیری منتظرِ روزِ مکافات

خداوند تعالیٰ نے آخرکار غریب کی فریاد سن لی اور فرشتوں کو فرمان جاری کیا ؎

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دو!
گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو
سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

کلامِ اقبالؒ سے ان اقتباسات کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ علامہ اقبالؒ کے نزدیک مسلمانوں سے اسلام کس قسم کے معاشی نظام کا متقاضی ہے۔ لیکن اب اس سوال پر بھی غور کر لیجئے کہ جب سے پاکستان معرضِ وجود میں آیا ہے کیا ہمارے سیاسی پیشواؤں نے آئینِ پیغمبرؐ کے نفاذ کے سلسلے میں کوئی مثبت یا عملی قدم اٹھائے ہیں۔ ہم سیاسی پیشواؤں سے آخر کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔ علامہ ہی کے الفاظ میں سنئے ؎

امید کیا ہے سیاست کے پیشواؤں سے
یہ خاکباز ہیں رکھتے ہیں خاک سے پیوند!
ہمیشہ مورو مگس پر نگاہ ہے ان کی!
جہاں میں ہے صفتِ عنکبوت ان کی کمند
خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے متاع
تخیلِ ملکوتی و جذبہ ہائے بلند

بہرحال پچھلے چند برسوں سے اس ملک میں مختلف قسم کی فروعاتی بحثیں تو بڑے جوش و خروش سے جاری ہیں۔ ان بحثوں میں ہمارے سیاسی پیشواؤں نے اسلام کو بھی بلا دریغ گھسیٹا ہے۔ مثلاً براہِ راست انتخاب اور بالواسطہ انتخاب کی بحث کے سلسلے میں ارشاد ہوا ہے کہ بالواسطہ انتخاب اسلام کے عین مطابق ہیں یا یہ کہ اسلام کے اوائل دور میں خلفائے راشدینؓ کو مختلف طریقوں سے منتخب کیا گیا۔ کسی ایک واضح طریق کی تقلید نہیں کی

گئی۔ یا یہ کہ بنیادی حقوق کا تحفظ ایک جدید اختراع ہے۔ اس کا اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں[1]۔ ایک سیاسی پیشوا نے تو یہ دریدہ دہنی بھی کی ہے کہ خلفائے راشدینؓ ڈکٹیٹر تھے۔ اگر آپ تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ان کے ہر دور میں پیشہ ور خوشامدیوں اور بے ضمیر موقعہ پرستوں نے وقت کی مصلحت کے تحت اور ذاتی اغراض کے حصول کی خاطر یونہی اسلام کی حقیقی جمہوری روح کو مسخ کرنے کی کوششیں نہیں کیں بلکہ وہ اپنی غلط کوششوں میں کامیاب بھی ہوئے اور یوں جسدِ ملت سے جمہوری روح عنقا ہو گئی۔ مثلاً جب معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنانے کا ارادہ کیا تو چند ابن الوقت برجستہ بول اٹھے[2] کہ۔ تقرر تو اسلامی روایات کے عین مطابق ہے۔ کیا حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر نہ کیا تھا؟

ان خاکبازوں کی نفسیات دراصل غلامی کی نفسیات ہیں اور بقول علامہ اقبال ؎

شاعر بھی ہیں پیدا علما حکما بھی
خالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ
مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا مگر ایک
ہر ایک ہے گو شرحِ معانی میں یگانہ
بہتر ہے کہ شیروں کو سکھا دیں رمِ آہو
باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضامند
تاویلِ مسائل کو بناتے ہیں بہانہ

خلفائے راشدین ڈکٹیٹر تھے؟

چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ خلفائے راشدینؓ ڈکٹیٹر تھے لیکن وہ کس قسم کے ڈکٹیٹر تھے؟ کیا وہ اپنی ذاتی اغراض کے حصول کے لئے ڈکٹیٹر تھے یا آئین پیغمبرؐ کے نفاذ کے لئے ڈکٹیٹر تھے؟ جو یتیموں اور بیواؤں کے لئے اپنی پیٹھ پر اناج کی

---

[1] اس کا مدلل جواب پرویز صاحب کے قلم سے شائع ہو چکا ہے۔ جسے پمفلٹ کی شکل میں بھی شائع کیا گیا تھا۔ جن حضرات کی نظروں سے وہ (انگریزی) پمفلٹ نہ گزرا ہو وہ ایک کارڈ لکھ کر (بلاقیمت) منگا سکتے ہیں۔ (طلوعِ اسلام)

[2] یہ مثال صحیح نہیں اور ان حضرات کو ابن الوقت کہنا بہت بڑی زیادتی ہے۔ خود حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء میں بیشتر صحابہؓ تھے۔ ہماری تاریخ کے یہ مقامات گہری تحقیق اور احتیاط کے متقاضی ہیں۔ (طلوعِ اسلام)۔

بوریاں لاد کر ان کے گھروں تک پہنچاتے تھے۔ جو مرتے وقت یہ وصیت کرتے تھے کہ مجھ کو میرے پرانے کپڑوں میں ہی دفنا دینا، کیونکہ نئے کپڑوں کی زندہ لوگوں کی ضرورت ہوگی جن کی قبا اگر دوسرے مسلمانوں سے قدرے لمبی ہو جائے تو بھرے مجمع میں ان کو یہ بتانا پڑتا تھا کہ مزید کپڑا کہاں سے حاصل کیا ہے، جن کی قباؤں پر چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے جو ذاتی امور پر بات کرتے وقت چراغ گل کر دیا کرتے تھے کہ اس میں مسلمانوں کے بیت المال کا تیل جل رہا ہے، جو دشمن کو پچھاڑ کر قتل کرنے سے اس لئے رک جاتے تھے کہ دشمن نے چہرہ مبارک پر تھوک دیا تھا اور انہیں یہ خیال آگیا تھا کہ مبادا ایسی حالت میں اس کا قتل کرنا اللہ کی خوشنودی کی بجائے محض اپنی ذاتی توہین کا انتقام بن جائے اور جن کے دستر خوانوں پر سوکھی روٹی کے سوا کوئی سالن شاید و باید ہی ہوتا تھا۔ غالباً ڈکٹیٹر انہی صفات کے حامل ہوتے ہیں لیکن ان بے ضمیر موقع پرست سیاسی پیشواؤں کو کیونکر سمجھایا جائے کہ خلفائے راشدین کا مقام کیا ہے ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر\
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر!

انہی پیشہ ور خوشامدیوں کے متعلق علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ؎

میں کارِ جہاں سے نہیں آگاہ و لیکن\
اربابِ نظر سے نہیں پوشیدہ کوئی راز\
کر تو بھی حکومت کے وزیروں کی خوشامد\
دستور نیا اور نئے دور کا آغاز!\
معلوم نہیں ہے یہ خوشامد کہ حقیقت\
کہہ دے کوئی الو کو اگر رات کا شہباز!

ان رات کے شہبازوں سے ہماری دست بستہ التماس یہی ہے کہ شوق سے فروعاتی بحثوں میں اپنا وقت ضائع کریئے لیکن خدا کے لئے مصلحتِ وقت کی خاطر ان ایسی تاویلات سے باز رہیئے۔ ہماری تاریخ شاہد ہے، ہم نے ماضی میں اس کی بہت بڑی قیمت ادا کی ہے۔ ہم اپنی حیثیت بخوبی جانتے ہیں حضور کہ ؎

دورِ حاضر ہے حقیقت میں وہی عہدِ قدیم\
اہلِ سجادہ ہیں یا اہلِ سیاست ہیں امام\
اس میں پیری کی کرامت ہے نہ میری کا ہے زور\
سینکڑوں صدیوں سے خوگر ہیں غلامی کے عوام

ہم نے وقت کے تقاضوں کو نہیں سمجھا۔ ہم فروعات اور سیاسی تعیش میں پڑے ہوئے ہیں۔ سیاسی نظام چاہے جو بھی اپنایئے۔ سوال یہ ہے کہ معاشرتی اور معاشی انصاف کی عمارت کب اخوت، مساوات اور عزت نفس کی بنیادوں پر کھڑی کی جائے گی۔ اقبال اور پاکستان کے اولوالعزم بیٹوں کی زندگی کشمکش انتظار میں گزر رہی ہے۔ اور کشمکش انقلاب کی زندگی اس زندگی سے بہرصورت بہتر ہے۔ جو محض موت کے انتظار کی خاطر گزرے اور جس زندگی کی دوڑ صرف قبر تک ہو ؎

نہ ایشیا میں نہ یورپ میں سوز و ساز حیات
خودی کی موت ہے یہ اور وہ ضمیر کی موت
دلوں میں ولولۂ انقلاب ہے پیدا
قریب آ گئی شاید جہانِ پیر کی موت

جس طرح تاج محل آج بھی اسی طرح ترو تازہ اور شگفتہ و شاداب ہے جیسے آج سے تین سو سال پہلے۔ اسی طرح بعض کتابیں بھی زندہ رہنے والی ہوتی ہیں۔ اس قسم کی کتاب محترم پرویز صاحب کی زندۂ جاوید تصنیف

سلیم کے نام خطوط

ہے۔ جوں جوں دن گزرتے جاتے ہیں اس کی مقبولیت بڑھتی جاتی ہے۔ اس کتاب نے ہمارے نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کے قلب و نگاہ میں صحیح انقلاب پیدا کر دیا ہے۔

جلد اوّل	۸ روپے
جلد دوم	۶ روپے
جلد سوم	۶ روپے

ادارہ طلوع اسلام ۲۵۔بی گلبرگ لاہور سے بھی مل سکتی ہے

(مسلسل)

روایات کا قرآن

قسط نمبر (۳)

علامہ السید احمد الیفی (مصری)
(ترجمہ:- سید نصیر شاہ صاحب میانوالی)

جن روایات کو ہم نے محض بخوف طوالت بغیر تنقید چھوڑ دیا ہے اصل میں ان پر تنقید کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی تنقید آپ ہیں۔ اب ہم ان روایات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن میں حضرت علیؓ کو جامع القرآن بتایا گیا ہے۔

قرآن حضرت علیؓ نے جمع کیا تھا

ابن سیرین سے روایت ہے کہ "حضرت علیؓ نے وفاتِ نبویؐ کے بعد گوشہ نشینی اختیار کرلی اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرنے میں دیر کی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے پوچھ بھیجا کہ کیا آپ کو میری بیعت ناگوار ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا "ایسی بات نہیں، بات دراصل یہ ہے کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ اس وقت تک اپنی چادر جسے نماز کے لئے اوڑھوں گا جب تک قرآن جمع نہ کرلوں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ترتیب نزول کے مطابق قرآن جمع کر رہے تھے ابن سیرین اس حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ کاش میں وہ کتاب پالیتا اس میں بڑا علم تھا"

(کنز العمال - الاتقان - الاستیعاب)

ترتیب نزول کی روایت پر تنقید

اس روایت کا بہت ڈھول پیٹا جاتا ہے اور خصوصاً شیعہ حضرات کے ہاں تو قرآن کے غیر محفوظ ہونے کی دلیل ہی یہی ہے کہ اصل قرآن وہ تھا جو حضرت علیؓ نے

ترتیب نزولی کے مطابق مرتب کیا تھا۔ اس روایت کی اسی اہمیت کے پیش نظر ہم اس پر کلام کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اس روایت کے پہلے راوی ہیں خلف بن قاسم جو بالکل مجہول الحال ہیں۔ دوسرے راوی ہیں عبداللہ بن عمر۔ نہ معلوم یہ کون سے عبداللہ بن عمر ہیں۔ کیونکہ اس نام کے متعدد راوی ہیں۔ تیسرے راوی احمد بن محمد بن الحجاج ہیں جن کے متعلق ابن حجر لکھتے ہیں۔

"محدثین نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے اور اس کی روایات سے انکار کیا ہے" (تہذیب التہذیب)

علامہ نہوی نے کہا ہے "ان کے باپ، دادا، پردادا سب ضعیف تھے۔ ان کے شیخ احمد بن صالح ان کو کذاب کہتے تھے" (لسان المیزان ج ۱ ص ۲۵۷)

رہے اسمٰعیل بن علیہ تو اس نام کا کوئی راوی نہیں ہاں ابراہیم بن اسمٰعیل بن علیہ راوی ضرور ہیں مگر انہیں صاحب لسان المیزان جہمی خبیث ملعون کہتے ہیں۔ اور کوئی بھی انہیں ثقہ نہیں سمجھتا۔ سیوطی نے ابن عودہ کے طریق سے بھی یہ روایت نکالی ہے مگر وہ ابن عودہ کو بھی ثقہ نہیں کہتا وہ شیعہ بھی تھا تقیہ کی علامت ق اس کے نام کے ساتھ موجود ہے۔

تعجب ہے کہ اس ضعیف ترین روایت کو بنیاد بنا کر بڑے بڑے محدثین کہا کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا مصحف ترتیب نزولی کے مطابق تھا۔ حق یہ ہے کہ اگر ترتیب نزولی کی کوئی اہمیت ہوتی تو اللہ اسی ترتیب سے قرآن مرتب کرنے کا حکم دیتا اور حضورؐ اس ترتیب سے مرتب فرما کر امت کے حوالے کرتے۔ ہمارا ایمان ہے اور پچھلے باب میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ ہمارا ایمان علیٰ وجہ البصیرت اور علیٰ رؤس الاشہاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی قرآن کو اسی ترتیب میں مرتب فرمایا ہے اس کا ارشاد ہے

وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝

ہم نے اسے احسن ترتیب کے ساتھ مرتب کیا۔

دوسری جگہ ہے۔

عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ

اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔

پس یہ سب کچھ جو اختلاف قرأت وغیرہ کے سلسلے میں بیان کیا جاتا رہا ہے۔ غلط ہے محض افترا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ان اکاذیب واباطیل سے بری ہے۔ اسی نے قرآن اتارا ہے اسی نے اس کی آیات کو سورتوں میں مرتب فرمایا اور اسی نے سورتوں کو ترتیب دی۔

سورتیں کس نے بنائیں ہیں؟

پچھلے باب میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ سورتوں کی تعداد خود خدائے قدوس نے معین کی مگر روایات، قرآن کی تردید میں کہتی ہیں کہ صحابہ خود چند آیات کے مجموعہ کو سورت بنا لیتے چنانچہ یحییٰ بن عباد کی روایت امام ابن ابی داؤد نقل کرتے ہیں کہ

"حارث بن خزیمہ سورۂ براۃ کی آخری دو آیات لائے اور انھوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان دونوں آیتوں کو رسول اللہ سے سن کر بخوبی یاد رکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے گفتگو سن کر فرمایا اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ بے شک میں نے بھی ان آیات کو سنا ہے۔" پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ تین آیتیں ہوتیں تو میں انہیں علیحدہ سورت بنا دیتا مگر اب انہیں قرآن کی سب سے آخری سورت شامل کر دو۔"　　　(کتاب المصاحف)

اس روایت میں وہ ذوالشہادتین والی بات تو پیدا ہی نہ ہوئی کیونکہ عمرؓ نے بھی ان آیات کی شہادت دے دی تھی۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صحابہ چند آیات کو ترتیب دے کر اپنے اجتہاد سے سورت بنا لیا کرتے تھے۔

اب ایک اور روایت سنئے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باقی سورتوں کی مقدار تو حضورؐ متعین فرما گئے تھے صرف سورۂ براۃ اور انفال رہ گئی تھیں۔ سنئے عوف بن ابی جمیلہ سے روایت ہے کہ

سورۂ براۃ اور سورۂ انفال

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا میں نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ آپ نے سورہ انفال کو جو مثانی میں سے ہے اور سورۂ براۃ کو جو مئین میں سے ہے باہم ملا دیا اور دونوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھا پھر انہیں سات بڑی سورتوں میں بھی شامل کر دیا، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔ رسول اللہؐ پر متعدد سورتیں نازل ہوا کرتی تھیں۔ اس لئے جہاں آپؐ پر کچھ قرآن نازل ہوا کرتا آپؐ فوراً کاتبانِ وحی میں سے کسی کو بلا کر حکم دیتے کہ اس آیت کو اس سورت میں لکھ دو۔ جس میں اس قسم کا ذکر آیا ہے انفال مدینہ میں نازل ہوئی تھی اور براۃ کا نزول سب سے آخر میں ہوا تھا۔ علاوہ ازیں براۃ کا قصہ بھی سورۂ انفال کے قصہ سے مشابہ تھا۔ اس لئے میں نے گمان کیا کہ سورہ براۃ، سورہ انفال کا ایک جزو ہے۔ رسول اللہؐ ایسی حالت میں انتقال فرما چکے تھے کہ ہمیں بتایا نہ تھا کہ براۃ انفال کا حصہ ہے یا اس سے الگ۔ اسی لئے میں نے ان سورتوں کو ساتھ ساتھ رکھ دیا۔ اور ان کے مابین بسم اللہ کی سطر نہیں لکھی اور اسے سات بڑی سورتوں کی صف میں جگہ دی۔

(ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ مسند احمد۔ ابن حبان حاکم۔ الاتقان)

اس روایت پر تنقید کرنا ہم تضیع اوقات سمجھتے ہیں۔ صرف عوف بن ابی جمیلہ کے متعلق ابن حجر کا یہ فقرہ پڑھ لیجئے۔

"عوف بن ابی جمیلہ قدری، رافضی ...... تھا۔"　　　(تہذیب التہذیب)

سورتوں کی ترتیب

قرآن حکیم سے واضح ہے کہ جب قرآن جمع کرنا اور اسے ترتیب دینا خدا کے ذمہ ہے تو لازماً اسی نے ہی سورتوں کی ترتیب قائم کی کیونکہ سورتوں کی ترتیب ہی کا نام تو جمع قرآن ہے۔ لیکن دوسری طرف امام سیوطیؒ لکھتے ہیں۔

"جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ سورتوں کی ترتیب صحابہؓ کے اجتہاد کا نتیجہ ہے۔" (الاتقان ج اول)

سیوطیؒ نے یہ بات کچھ یوں ہی نہیں کہہ دی۔ امام بخاریؒ نے بھی ایک روایت اس کی تائید میں نقل کی ہے فرماتے ہیں۔

"عراق سے ایک شخص حضرت عائشہؓ کے پاس آیا اور کہا کہ ام المومنین آپ اپنا قرآن لائیے تو میں اپنا نسخہ درست کر لوں۔ کیونکہ لوگ قرآن کو بے ترتیب پڑھتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کسی سورت کے پہلے پیچھے پڑھنے میں کیا حرج ہے۔" (صحیح بخاری باب تالیف القرآن)

دیکھا آپ نے یہ مصحف حضرت عائشہؓ کے پاس تھا ایک مصحف عراق والے اس شخص کے پاس بھی تھا جو اپنا نسخہ درست کرنے آیا تھا۔ اب یہ بات امام بخاریؒ سے کون پوچھے کہ یہ مصاحف کس زمانہ میں جمع کئے گئے تھے؟ ممکن ہے مداحان بخاریؒ کوئی جواب دے سکیں۔

مختلف صحابہؓ کے مصاحف میں سورتوں کی ترتیب مختلف تھی

مذکورہ بالا روایت میں حضرت عائشہؓ پر یہ الزام بھی لگایا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کسی سورت کے پہلے پیچھے پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ حالانکہ قرآن کی ترتیب بگاڑنا درست نہیں۔ اس سلسلہ میں میں ائمہ حنفیہؒ کو برسرِ حق سمجھتا ہوں جو اس طرح ترتیب بگاڑنے کو جائز نہیں سمجھتے۔ خیر بہرحال روایات کہتی ہیں کہ مختلف صحابہؓ نے جو مصاحف مرتب کئے تھے ان کی ترتیب مختلف تھی۔

مصحف علیؓ

امام سیوطیؒ لکھتے ہیں۔

"مصحف علیؓ کی ترتیب یوں تھی سورہ اقرأ۔ المدثر۔ المزمل۔ تبت۔ تکویر۔ الخ" (الاتقان۔ الفہرست)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

"مصحف علیؓ کی ترتیب یوں تھی۔ اقراء۔ المدثر۔ ن والقلم۔ المزمل۔ تبت۔ الخ۔ (فتح الباری ج ۹ ص۳۹)

مصحف ابی بن کعبؓ

امام ابن اشتہ کہتے ہیں کہ مصحف ابیؓ بن کعب کی ترتیب یوں تھی۔

"الحمد، البقرہ، آل عمران، الانعام، الاعراف، المائدہ، یونس، الانفال، براۃ، ہود، مریم الخ" (کتاب المصاحف لابن اشتہ۔ الاتقان)

مصحف عبداللہ بن مسعودؓ

جریر بن عبدالحمید کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے مصحف کی ترتیب یوں تھی۔

"البقرہ، النساء، آل عمران، الاعراف، الانعام، المائدہ الخ اس میں الحمد اور معوذتین نہیں تھیں[1]" (کتاب المصاحف لابن اشتہ۔ الاتقان)

---

[1] قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ان دونوں سورتوں کو معوذتین کہتے ہیں۔ (مترجم)

ترتیب سور کے اختلافات کو یہیں چھوڑ کر ہم مختلف مصاحف کے لفظی اختلافات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

مصاحف میں لفظی اختلافات

مندرجہ ذیل اقتباسات امام ابن ابی داؤد کی کتاب المصاحف سے لئے گئے ہیں۔

مصحفِ عثمانؓ	دیگر مصاحف
۱- مصحفِ عثمانؓ	مصحفِ عمرؓ فاروق
۱- صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○ (۱/۱)	صِرَاطَ مَنْ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَغَيْرِ الضَّآلِّيْنَ ○
۲- اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (۳/۲)	اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيَّامُ
۳- يتساءلون عن المجرمين ما سلككم في سقر (۷۴)	يتساءلون ○ يا فلان ما سلكك في سقر
۲- مصحفِ عثمانؓ	مصحفِ علیؓ
۱- آمن الرسول بما انزل اليه من ربه والمومنون	آمن الرسول بما انزل اليه وآمن المومنون
۳- مصحفِ عثمانؓ	مصحفِ ابیؓ بن کعب
۱- فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً (۴/۲۴)	فما استمتعتم به الى اجل مسمى فآتوهن اجورهن فريضة۔
۲- فلا جناح عليه ان يَّطَّوَّفَ بهما (۲/۱۵۸)	فلا جناح عليه انْ لا يطوف بهما
۳- فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلك كفارة ايمانكم اذا حلفتم (۵/۸۹)	فمن لم يجد فصيام ثلثة ايام متتابعات في كفارة اليمين۔
مصحفِ عثمانؓ	مصحفِ عبداللہؓ بن مسعود
۱- ان الله لا يظلم مثقال ذرة (۴/۴۰)	ان الله لا يظلم مثقال نملة
۲- بل يداه مبسوطتان (۵/۶۴)	بل يداه بسطان
۳- يمريم اقنتي لربك واسجدي واركعي مع الراكعين (۳/۴۳)	يمريم اقنتي لربك واركعي واسجدي مع الساجدين
۴- ليس عليكم جناح ان تبتغوا فضلا من ربكم (۲/۱۹۸)	مصحف عثمانی میں لکھی ہوئی آیت پر یہ الفاظ زیادہ ہیں۔ في مواسم الحج فابتغوا حينئذٍ۔

۱؎ مصحف ابی کی اس آیت کو ذہن میں رکھیے ۲؎ کہ مصحف ابن عباسؓ میں بھی یہ آیت یوں ہی آئی ہے۔ ۳؎ مصحف ابن عباسؓ کے حاشیے پر بحث کی گئی ہے)

۵۔ وتزودوا فان خیر الزاد التقویٰ (۲/۱۹۷)	وتزودوا فخیر زاد التقوی
۶۔ من بقلها وقثائها وفومها وعدسها (۲/۶۱)	فُومِھا کی بجائے فُومِھا ہے۔
۷۔ والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر (۱۰۳/۱-۳)	والعصر ان الانسان لفی خسر وانہ فیہ الی آخر الدھر الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت وتواصوا بالصبر
۸۔ اولئک لھم نصیب مما کسبوا (۲/۲۰۲)	اولئک لھم نصیب ما اکتسبوا۔
۹۔ ولکل وجھۃ ھو مولیھا (۲/۱۴۸)	ولکل جعلنا قبلۃ یرضونھا۔
۱۰۔ واتموا الحج والعمرۃ للہ (۲/۱۹۶)	واقیموا الحج والعمرۃ للبیت۔
۱۱۔ فولوا وجوھکم شطرہ (۲/۱۴۴)	تولوا وجوھکم قبلہ
۱۲۔ فازلھما الشیطن عنھا فاخرجھما مما کان فیہ (۲/۳۶)	فوسوس الشیطان عنھا فاخرجھما مما کان فیہ۔
۱۳۔ ان البقر تشابہ علینا (۲/۷۰)	ان البقر متشابہ
۱۴۔ ولا یقبل منھا شفاعہ (۲/۴۸)	لا یؤخذ منھا شفاعۃ
۱۵۔ وان یاتوکم اسٰری تفٰدوھم (۲/۸۵)	وان یؤخذ وا تفدوھم
۱۶۔ واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمٰعیل ربنا تقبل منا (۲/۱۲۷)	واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمٰعیل یقولان ربنا تقبل منا۔
۱۷۔ لا تعبدون الا اللہ (۲/۸۳)	لا یعبدون الا اللہ
۱۸۔ ثم تولیتم الا قلیلا منکم (۲/۸۳)	ثم تولوا الا قلیلا منھم
۱۹۔ لیس البر ان تولوا وجوھکم (۲/۱۷۷)	لا تحسبن ان البر
۲۰۔ یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام (۲/۲۱۰)	یاتیھم اللہ والملٰئکۃ فی ظلل من الغمام
۲۱۔ ان یخافا (۲/۲۲۹)	ان یخافوا
۲۲۔ من قبل ان تمسوھن (۲/۲۳۷)	من قبل ان تجامعوھن
۲۳۔ قال اعلم (۲/۲۵۹)	قیل اعلم
۲۴۔ ما ننسخ من آیۃ او ننسھا (۲/۱۰۶)	ما ننسک من آیۃ او ننسخھا
۲۵۔ لمن اراد ان یتم الرضاعۃ (۲/۲۳۳)	لمن اراد ان یکمل الرضاعۃ
۲۶۔ حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ (۲/۲۳۸)	حافظوا علی الصلوٰت وعلی الصلوٰۃ الوسطیٰ

۲۷۔ الحی القیوم (۳/۲)	الحی القیام
۲۸۔ وما یعلم تاویلہ الا اللہ (۳/۷)	وان حقیقۃ تاویلہ الا عند اللہ
۲۹۔ ویقتلون الذین یامرون بالقسط (۳/۲۱)	وقاتلوا الذی ۔۔۔۔۔۔
۳۰۔ فنادتہ الملئکۃ وھو قائم یصلی فی المحراب ان اللہ یبشرک بیحیی (۳/۳۹)	فناداہ الملئکۃ یا زکریا ان اللہ یبشرک بیحیی
۳۱۔ فیوفیھم اجورھم (۳/۵۷)	فاوفیھم اجورھم
۳۲۔ بقنطار یؤدہ الیک (۳/۷۵)	بقنطار یوفہ الیک
۳۳۔ بدینار لا یؤدہ الیک (۳/۷۵)	بدینار لا یوفہ الیک
۳۴۔ اذ قالت الملئکۃ یمریم ان اللہ یبشرک (۳/۴۵)	وقالت الملئکۃ یا مریم ان اللہ لیبشرک
۳۵۔ ویعلمہ الکتب والحکمۃ (۳/۴۸)	ونعلمہ الکتب والحکمۃ
۳۶۔ واللہ بما تعملون بصیر (۳/۱۵۶)	واللہ بصیر بما یعملون
۳۷۔ وان اللہ لا یضیع اجر المومنین (۳/۱۷۱)	واللہ لا یضیع اجر المومنین
۳۸۔ ونقول ذوقوا عذاب الحریق (۳/۱۸۱)	ویقال لھم ذوقوا عذاب الحریق
۳۹۔ ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا ط وسیصلون سعیرا ۔۔ (۴/۱۰)	ومن یاکل اموال الیتامی ظلما فانما یاکل فی بطنہ نارا وسوف یصلی سعیرا
۴۰۔ او یغلب فسوف نؤتیہ اجرا عظیما (۴/۷۴)	او یغلب نؤتہ اجرا عظیما
۴۱۔ بیّت طائفۃ منھم (۴/۸۱)	بیّت مبیّت منھم
۴۲۔ وسوف یؤت اللہ المومنین (۴/۱۴۶)	وسیوتی اللہ المومنین
۴۳۔ فسوف نؤتیہ اجرا عظیما (۴/۱۱۴)	فسنؤتیہ اجرا عظیما۔
۴۴۔ اولئک سوف یؤتیھم اجورھم وکان اللہ غفورا رحیما (۴/۱۵۲)	اولئک سنؤتیھم اجورھم وقد نزل علیکم فی الکتاب وکان اللہ غفورا رحیما
۴۵۔ قال اللہ انی منزلھا علیکم (۵/۱۱۵)	قال سانزلھا علیکم
۴۶۔ ثم لم تکن فتنتھم الا ان قالوا (۶/۲۳)	ما کان فتنتھم الا ان قالوا
۴۷۔ توفتہ رسلنا (۶/۶۱)	تتوفاہ رسلنا

۴۸۔ ليقص الحق	لقضى الحق
۴۹۔ كالذى استهوته الشيطن	كالذى استهواه الشيطن
۵۰۔ وليقولوا درست	ليقولوا درس
۵۱۔ ان هذا صراطى مستقيما	وا هذا صراطى مستقيما
۵۲۔ قالوا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا	قالوا ربنا الا تغفرلنا وترحمنا
۵۳۔ ليفسدوا فى الارض ويذرك والهتك	ليفسدوا فى الارض وقد تركوك ان يعبدوك آلهتك
۵۴۔ والذين يمسكون بالكتب	ان الذين استمسكوا بالكتاب
۵۵۔ قل اذن خير لكم يؤمن بالله	قل اذن خير ورحمة لكم يؤمن بالله
۵۶۔ الا ان تقطع قلوبهم	ولو تقطعت قلوبهم
۵۷۔ من بعد ما كاد يزيغ قلوب فريق منهم	من بعد ما زاغت قلوب طائفة منهم
۵۸۔ ولقد ارسلنا نوحا الى قومه انى لكم نذير مبين	ولقد ارسلنا نوحا الى قومه انى لكم نذير مبين
۵۹۔ ان كنت على بينة من ربى وآتنى رحمة من عنده فعميت عليكم	ان كنت على بينة من ربى فعميت عليكم
۶۰۔ ولا تضرونه شيأ	ولا تنقصوه شيا
۶۱۔ فاسر باهلك بقطع من اليل ولا يلتفت منكم احد الا امراتك	فاسر باهلك بقطع من اليل الا امراتك
۶۲۔ قل افاتخذتم من دونه اولياء	قل اتخذتم من دونه اولياء
۶۳۔ ولا يلتفت منكم احد	ولا يلتفتن منكم احد
۶۴۔ وسخر لكم اليل والنهار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره	وسخر لكم اليل والنهار والشمس والقمر والرياح بامره
۶۵۔ الذين تتوفهم الملائكة	الذين توفاهم الملائكة
۶۶۔ ولنجزين الذين صبروا اجرهم	وليوفين الذين صبروا اجرهم
۶۷۔ احدهما او كلاهما فلا تقل لهما اف	اما واحدا واما كلاهما فلا تقل

۶۸- تسبح له السموٰت السبع والارض- (۴۴)	یسبون له الارض وسبحت له السموٰت-
۶۹- قبل ان تنفد کلمٰت ربی —— (۱۰۹)	قبل ان تقضی کلمات ربی-
۷۰- تکاد السموٰت یتفطرن منه (۹۰)	تکاد السماء تتصدع منه
۷۱- انما صنعوا کید سحر (۶۹)	....کید سحر
۷۲- من یغوصون له ویعملون عملا دون ذلک وکنا لهم حٰفظین (۸۲)	من یغوص له ویعمل وکنا لهم حفظین
۷۳- ویذکر فیها اسمه یسبح له فیها بالغدو والآصال (۳۶)	ویذکر فیها اسمه یسبحون له فیها رجال بالغدو والآصال-
۷۴- وزلزلوا حتی یقول الرسول- (۲۱۴)	فزلزلوا یقول حقیقة الرسول
۷۵- ان الله لا یظلم مثقال ذرة (۴۰)	ان الله لا یظلم مثقال نملة
۷۶- وهو الذی ارسل الریح بشرا (۴۸)	وهو الذی ارسل الریاح مبشرات
۷۷- وقال انما اتخذتم من دون الله اوثانا مودة بینکم فی الحیوٰة الدنیا (۲۵)	انما اتخذتم من دون الله اوثانا تخلقون انما مودة بینکم فی الحیوٰة الدنیا
۷۸- لیکفروا بما آتینٰهم ولیتمتعوا (۶۶)	لیکفروا بما آتاهم قل تمتعو-
۷۹- هدی ورحمة للمحسنین- (۳)	هدی وبشریٰ للمحسنین
۸۰- من یقنت منکن لله ورسوله وتعمل صالحا (۳۱)	من تعمل منکم الصٰلحٰت وتقنت لله ورسوله
۸۱- سلٰم علیٰ آل یاسین (۱۳۰)	سلام علیٰ ادراسین
۸۲- کذٰلک یطبع الله علیٰ کل قلب متکبر جبار (۳۵)	یطبع الله علیٰ کل قلب
۸۳- اشهدوا خلقهم ([illegible])	ما اشهد خلقهم
۸۴- وعنده علم الساعة (۸۵)	وانه علیهم للساعة
۸۵- لتعارفوا ان اکرمکم عند الله اتقٰکم (۱۳)	لتعارفوا خیارکم عند الله اتقاکم
۸۶- فلا اقسم بمواقع النجوم (۷۵)	فلا اقسم بموقع النجوم-

مصحف عثمانؓ	**مصحف عبداللہ بن عباسؓ**
۱- ان یطوف بهما —— (۱۵۸)	ان لا یطوف بهما
۲- ان تبتغوا فضلا من ربکم فاذا افضتم (۱۹۸)	ان تبتغوا فضلا من ربکم فی مواسم الحج فاذا افضتم

۳- انما ذلکم الشیطن یخوف اولیاء (۳/۱۷۵)-	انما ذلکم الشیطن یخوفکم اولیائه
۴- اولئک لهم نصیبا مما کسبوا (۲/۲۰۲)	.... مما اکتسبو
۵- واتموا الحج والعمرة لله (۲/۱۹۶)	واقیموا الحج والعمرة للبیت
۶- وشاورهم فی الامر (۳/۱۵۹)	وشاورهم فی بعض الامر
۷- وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی (۲۲/۵۲)	وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی محدث
۸- وان عزموا الطلاق (۲/۲۲۷)	وان عزموا السراح
۹- وما یعلم تاویله الا الله والراسخون فی العلم یقولون آمنا به (۳/۷)	و ما یعلم تاویله ویقول الراسخون آمنا به
۱۰- حافظوا علی الصلوت والصلوة الوسطی (۲/۲۳۸)	حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطی وصلوة العصر
۱۱- فما استمتعتم به منهن فاٰتوهن اجورهن (۴/۲۴)-	فما استمتعتم بهٖ منهن الی اجل مسمی فاٰتوهن اجورهن-
مصحف عثمانؓ	**مصحف عبداللہ بن زبیر**
۱- لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم (۲/۱۹۸)	لاجناح علیکم ان تبتغوا فضلا من ربکم فی مواسم الحج
۲- فی جنٰت یتساءلون عن المجرمین ما سلککم فی سقر (۷۴/۴۰)	فی جنات یتساءلون یا فلان ما سلکک فی سقر

متعہ کی بحث | (۱۱) سورہ نساء کی آیت درج کی گئی ہے۔ اصل آیت یوں ہے۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔ (ان عورتوں میں سے جن کے ساتھ تم نکاح کرو انہیں ان کے مہر دے دو) لیکن مصحف عبداللہ بن عباسؓ میں اور پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مصحف ابیؓ بن کعب میں یہ آیت یوں ہے۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔ (پس جن سے تم مدت مقررہ تک نکاح کرو ان کو ان کے مہر حوالے کرو) اسی مدت مقررہ تک کے نکاح کو متعہ کہتے ہیں۔ شیعوں کے ہاں اسے حلال سمجھا جاتا ہے سنی اسے حرام کہتے ہیں لیکن جمہور اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ متعہ کرنے والے پر زنا کی حد لازم نہیں۔ یہاں آپ نے دیکھا کہ ابیؓ بن کعب اور حضرت ابن عباسؓ کے مصاحف میں متعہ نصِ صریح سے حلال بتایا گیا ہے (معاذ اللہ) ہم تو ان جعلی مصاحف کے قائل ہی نہیں۔ مگر وہ لوگ کیا جواب دیں گے جو انہیں مانتے بھی ہیں اور متعہ کو حرام بھی کہتے ہیں۔ (رفیق)

۳۔ فیبیتو علی ما اسروا (۴۵/۹)	فیبیح الغسان علی ما سرو
۴۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون (۳/۱۰۴)	ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویستعینون باللہ علی ما اصابھم واولئک ھم المفلحون
۵۔ صراط الذین انعمت علیھم (۱/۶)	صراط من انعمت علیھم

ہم نے انتہائی اختصار سے کام لیتے ہوئے صحابہؓ کے مصاحف کے باہمی اختلافات پیش کئے ہیں۔ امام ابن ابی داؤد نے تو بہت سی آیات لکھی ہیں۔ لیکن ہم نے معمولی اختلافات کو بخوف طوالت نظرانداز کر دیا ہے۔ اب ذرا آگے چلئے۔

مصحف عبداللہ ابن عمرو بن العاصؓ

امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ ابوبکر بن عیاش سے نقل کرتے ہیں کہ

• عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے پڑپوتے شعیب بن محمد بن عبداللہ ہمارے ہاں تشریف لائے میرے اور ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ یہ تھی۔ انہوں نے فرمایا کیا میں تمہیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا مصحف دکھلاؤں۔ چنانچہ انہوں نے مجھے وہ مصحف دکھایا تو اس میں بہت سے الفاظ ہمارے مصحف کے الفاظ سے بہت کچھ مختلف تھے۔ ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ انہوں نے مجھے ایک سیاہ جھنڈا بھی دکھایا جو موٹے کپڑے کا بنا ہوا تھا اس میں ایک دستہ اور دو گھنٹیاں بندھی ہوئی تھیں انہوں نے بتایا کہ یہ جھنڈا حضور کا ہے جو حضرت عمرو بن العاص کے پاس تھا۔ امام ابن ابی داؤد کہتے ہیں کہ میرے والد ابی داؤد صاحب سنن نے ابوبکر بن عیاش ہی سے یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ مصحف ان کے دادا عمرو بن العاص کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔

مصحف ام المومنین حضرت عائشہؓ

مصحف عثمانؓ	مصحف عائشہؓ
۱۔ حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ (۲/۲۳۸)	حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ وصلوٰۃ العصر
۲۔ ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما (۳۳/۵۶)	ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی والذین یصلون الصفوف الاول یاایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

مصحف حضرت حفصہؓ وحضرت ام سلمہؓ

ان دونوں کے مصاحف میں بھی آیت (۲/۲۳۸) میں وصلوٰۃ العصر کا اضافہ موجود ہے[1]

---

[1] یہ تمام اقتباسات امام ابن ابی داؤد کی کتاب المصاحف سے لئے گئے ہیں۔ (رشیدی)

مصاحف تابعین

شاید آپ اس غلط فہمی میں ہوں کہ حضرت عثمانؓ کی کوششوں سے امت ایک مصحف پر متفق ہوگئی ہوگی مگر ہماری کتب روایات میں ہے کہ دوسری صدی تک تابعین کے مصاحف میں یہ اختلافات موجود تھے۔ امام ابن ابی داؤد نے تابعین کے مصاحف کے اختلافات بھی بڑی تفصیل سے لکھے ہیں مگر ہم بخوف طوالت ان تفاصیل کو حذف کر کے صرف تابعین میں سے ان افراد کے نام لکھے دیتے ہیں جن کے مصاحف، مصحف عثمانؓ سے مختلف تھے۔

"عبید بن عمیر لیثی، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، مجاہد بن جبیر مخزومی، سعید بن جبیر، علقمہ بن قیس نخعی، طلحہ بن مصرف ایامی، سلیمان بن مہران، اعمش کوفی، اسود بن یزید نخعی" (کتاب المصاحف)

پھر وہ مصاحف کیا ہوئے؟

ہم ان روایات پرستوں سے پوچھتے ہیں کہ اس قدر مصاحف آخر کیا ہوئے۔ کہاں گئے۔ کیوں آج ان کا وجود بھی دنیا سے معدوم ہوگیا ہے؟ معلوم نہیں بعض منافقوں کی گھڑی ہوئی یہ روایات ہمارے بھولے بھالے متقدمین نے کیوں اپنی کتابوں میں گھسیڑ لیں؟ منافقوں نے قرآن حکیم کو بھی توریت و انجیل کی طرح محرف ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اسے بھی مشکوک ٹھہرانا چاہا۔ لیکن قرآن کا محافظ خدائے قدوس ہے اور سوچئے تو اس نے اپنی حفاظت کا فریضہ کس شان سے ادا کیا ہے کہ جن لوگوں نے قرآن کے مقابلہ میں صحابہ کرام کے اسمائے گرامی سے سینکڑوں جعلی مصاحف منسوب کئے تھے۔ آج ان کے دجل و فریب کی قلعی کھل چکی ہے۔ وہ جعلی مصاحف جانے کہاں گئے مگر قرآن آج بھی اپنی اصلی حالت میں موجود ہے اس کے زیر زبر اور نقطہ تک میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اس کے متعدد قدیم نسخے ہماری لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ ان نسخوں کو دیکھئے اور ہمارے قرآن کو دیکھئے کہیں زیر زبر کی کمی نہیں۔ لیکن قرآن کے نام سے جو جعلی مصاحف گھڑے گئے تھے دنیا کا کوئی فرد ان کے وجود کی نشاندہی نہیں کر سکتا۔ دنیا کا کوئی ادارہ تو حضرت ابی بن کعب کا یا حضرت عبداللہ بن مسعود یا حضرت عبداللہ بن عباس کا یا حضرت عائشہؓ کا مصحف شائع کرتا۔ دنیا کے کسی حافظ کے سینے میں تو ان جلیل القدر صحابہؓ کے مصاحف موجود ہوتے۔

اللہ اللہ۔ قرآن کی شان اور خدائے رحمٰن کی حفاظت کہ جو لوگ قرآن میں تغیر و تبدل کے قائل ہیں وہ بھی نہیں بتا سکتے کہ "اصل" قرآن کیا ہوا؟ کہاں گیا؟

مگر ہماری تیرہ بختی کہ دشمن جس قرآن کے بے مثال اعجاز کا اقرار کر رہے ہیں نادان دوست اسے مشکوک ٹھہرانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ ان نادانوں کو کون سمجھائے کہ تمہاری کذب بیانیوں اور دروغ بافیوں کا اثر قرآن پر نہیں ہو سکتا۔

خیر ہمارا موضوع تو محض یہ ہے کہ روایات کا "قرآن" پیش کریں۔ ابھی ابھی آپ نے پڑھا تھا کہ حضرت عثمانؓ نے جو قرآن لکھوایا تھا باقی صحابہ اور تابعین کے مصاحف اکثر آیات میں اس سے مختلف تھے۔ اب دیکھئے کہ حضرت عثمانؓ کے نسخے کا حشر کیا ہوتا ہے۔

مصحفِ عثمانیؓ میں حجاج بن یوسف نے تبدیلیاں کیں (معاذ اللہ)

امام ابی ابن داؤد نے عوف بن ابی جمیلہ سے روایت کی ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے اپنے زمانہ میں جناب عثمانؓ کے مصحف میں گیارہ مقامات پر تبدیلیاں کی ہیں۔ ان تغیرات کی تفصیل یہ ہے۔

حجاج بن یوسف کی تبدیلی	مصحف عثمانؓ
لم یتسنہ (پ۳/۲۵۹)	۱۔ لم یتسن
شرعۃ ومنھاجا (پ۶/۴۸)	۲۔ شریعۃ ومنھاجا
ھو الذی یسیرکم (پ۱۱/۲۲)	۳۔ ھو الذی ینشرکم
انا انبئکم بتاویلہ (پ۱۲/۴۵)	۴۔ انا اتیکم بتاویلہ
سیقولون اللہ ۔ اللہ ۔ اللہ (پ۱۸/۲۳/۸۹-۸۷-۸۵)	۵۔ سیقولون للہ ۔ للہ ۔ للہ
من المرجومین (پ۱۹/۱۱۶)	۶۔ من المخرجین
معیشتھم (پ۲۵/۳۲)	۷۔ معایشھم
من ماء غیر آسن (پ۲۶/۱۵)	۸۔ من ماء غیر یاسن
واتقوا [illegible]	۹۔ وانفقوا
وما ھو علی الغیب بضنین (پ۳۰/۲۴)	۱۰۔ وما ھو علی الغیب بظنین
من المخرجین (پ۱۹/۱۶۷)	۱۱۔ من المرجومین

آج ہمارے پاس حجاج بن یوسف کا اصلاح کردہ مصحف ہے

ان تمام مقامات کو دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آج ہمارے پاس وہی قرآن ہے جو حجاج بن یوسف نے تبدیل کیا تھا۔ اور حجاج بن یوسف وہ شخص ہے جس کے ساتھ امت کی عقیدتیں نہیں بلکہ نفرتیں وابستہ ہیں۔ اس کو آج بھی لعنتوں سے یاد کیا جاتا ہے۔

سازش ایک بہت بڑی سازش

لیجئے روایات پر یہ اعتراض تھا کہ نہ حضورؐ نے مرتب شکل میں امت کے حوالے کیں نہ صحابہ کرامؓ نے یہ کام کیا۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا تھا کہ

لہ یاد رکھئے یہ وہی عوف بن ابی جمیلہ ہے جسے ابن حجر تہذیب التہذیب میں رافضی شیطان کہتا ہے۔ (صدیقی)

ابن شہاب زہری نے پہلے پہل جمع حدیث کا کام شروع کیا تھا جو ایک تابعی تھا۔ اس اعتراض کا انتقام روایت پرستوں نے یوں لیا کہ جو قرآن تمہارے پاس موجود ہے وہ نہ حضور نے مرتب کر کے تمہارے حوالہ کیا تھا نہ صحابہ کا مرتب کردہ ہے۔ بلکہ یہ ایک تابعی حجاج بن یوسف کا اصلاح کردہ ہے۔ دیکھئے یہ کتنی گہری سازش ہے کیسی خطرناک اور کیسی زہر آلود؟ اب آپ کو روایات پرست گویا یہ بات کہہ رہے ہیں کہ دیکھو ہماری روایتوں کا مرتب تو ہے ابن شہاب زہری جسے متقی سمجھا جاتا ہے مگر تمہارا قرآن حجاج بن یوسف کا اصلاح کردہ ہے۔ جس نے اس پر اعراب لگائے ہیں وہ حجاج جو ظلم کی وجہ سے باعث آج تک بدنام ہے۔ غور کیجئے کہ قرآن کے خلاف اس سے بڑی سازش اور کیا ہو سکتی ہے؟

قرآن میں کمی بیشی ہو گئی ہے (معاذ اللہ)

اب ذرا دیکھئے کہ موجودہ قرآن کے متعلق روایات کیا کہتی ہیں۔ اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے ابن شہاب زہری کا قول درج کرتے ہیں اور پھر روایات پیش کریں گے۔

"ابن شہاب زہری نے کہا مجھکو معلوم ہوا کہ قرآن بہت اترا تھا تو قرآن کے عالم جنہوں نے اسے حفظ کیا تھا جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے اور ان کے بعد اس کا اکثر حصہ نہ لکھا جا سکا نہ بعد میں کسی کو معلوم ہوا"

(کنز العمال ج۱، کتاب المصاحف لابن ابی داؤد)

یہ تو رہا زہری کا بیان اب روایات کو دیکھئے جن میں نشان دہی کی گئی ہے کہ قرآن کی فلاں آیات حذف ہو گئی ہیں۔ امام بخاری لکھتے ہیں۔ (طویل روایت کی تلخیص درج کی گئی ہے)

"لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم (۲/۱۹۸) اصل میں فی مواسم الحج کے الفاظ کے ساتھ نازل ہوئی تھی اور حضرت ابن عباس بھی ان الفاظ کے ساتھ پڑھتے تھے"

(صحیح بخاری جلد اول کتاب البیوع)

حضرت ابی بن کعبؓ نے حضرت عمرؓ کو ڈانٹ دیا

"آیت ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا (۱۷/۳۲) کو حضرت ابیؓ اس طرح پڑھتے تھے ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ ومقتا وساء سبیلا الا من تاب فان اللہ کان غفورا رحیما۔ حضرت عمرؓ نے ٹوکا تو کہنے لگے میں نے حضورؐ کی زبان سے یوں ہی سیکھی ہے اور تمہارا تو بازار کی خرید و فروخت کے سوا کچھ کام نہ تھا"

(ابن مردویہ عن ابی العالیہ۔ کنز العمال)

یہ نہ سوچئے کہ حضرت عمرؓ کب خرید و فروخت میں اتنے مستغرق رہتے تھے کہ معاذ اللہ قرآن یاد نہ کر سکے۔ سو آپ اب روایات کی بارگاہ میں ہیں اور سوچنا یہاں ممنوع ہے۔ یہ بھی نہ سوچئے کہ فاروق اعظمؓ جو ابیؓ بن کعب سے برسوں پہلے ایمان لا چکے تھے جو

ہمیشہ حضورؐ کے ساتھ رہتے تھے انہیں تو آیت نہ آئے اور ابی بن کعبؓ کو یاد ہو۔

سورۂ بینہ میں کچھ اور آیات بھی تھیں

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ "مجھے رسول خدا صلعم نے بتایا اے ابی! مجھے حکم ہے کہ میں تیرے سامنے قرآن پڑھوں" تو آپ نے سورہ بینہ پڑھی اور اس میں یہ آیات بھی پڑھیں اِنَّ ذات الدین عند اللہ الحنفیۃ لا المشرکۃ ولا الیہودیۃ ولا النصرانیۃ ومن یعمل خیرا فلن یکفرہ اور رسول خدا صلعم نے یہ آیات بھی پڑھیں لو کان لابن آدم وادٍ لا بتغی الیہ ثانیا ولو اعطی الیہ ثانیا لا بتغی ثالثا ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب" (کنز العمال)

یہ آیات آج قرآن میں موجود نہیں تو معلوم ہوا کہ قرآن سے بعض آیات خارج ہو گئی ہیں۔

حضرت اُبیؓ بن کعب حضورؐ کے پاس رہتے تھے اور حضرت عمرؓ دروازے پر رہتے تھے!

پہلے آپ وہ روایت دیکھ چکے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت اُبیؓ بن کعب نے حضرت عمرؓ کو ڈانٹ دیا تھا کہ میں حضورؐ سے قرآن سیکھا کرتا تھا اور تم خرید و فروخت میں لگے رہتے تھے اب اسی قسم کی ایک اور روایت دیکھئے۔

"سورۂ فتح کی آیت اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ الخ میں حمیۃ الجاہلیۃ کے بعد حضرت اُبیؓ بن کعب نے یہ الفاظ پڑھے وَلَوْ حَمِیْتُمْ كَمَا حَمُوْا لَفَسَدَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ۔ جب حضرت عمرؓ نے ٹوکا تو حضرت ابی کعبؓ نے کہا "تم جانتے ہو کہ میں رسول خدا صلعم کے پاس رہتا تھا۔ اور وہ مجھے اپنے سے قریب رکھتے تھے اور تم دروازے پر رہتے تھے۔ اگر تم پسند کرتے ہو کہ میں لوگوں کو قرآن پڑھاؤں اور بالکل اسی طرح پڑھاؤں جیسا حضورؐ سے میں نے سنا ہے تو میں پڑھاؤں گا ورنہ جب تک زندہ رہوں گا کسی کو کچھ نہ پڑھاؤں گا۔

(نسائی۔ کتاب المصاحف لابن ابی داؤد۔ مستدرک۔ صحیح ابن خزیمہ۔ کنز العمال)

ایک اور واقعہ

اسی قسم کا ایک اور واقعہ سنئے اور پھر سوچئے کہ اس قسم کی روایات آخر بھی سازش نہیں تو اور کیا ہیں؟

"حضرت عمرؓ کہیں جا رہے تھے ایک لڑکے کو دیکھا کہ وہ مصحف سے قرآن پڑھ رہا ہے۔ فاروق اعظمؓ نے سنا کہ وہ آیہ کریمہ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ کے بعد

كَمَا سَوَّ آبَاءُهُمْ بھی پڑھ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے لڑکے یہ فقرہ مٹا دے" لڑکے نے کہا کہ یہ مصحفِ ابیؓ کا ہے۔ حضرت فاروقؓ ابیؓ کے پاس گئے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا " مجھے قرآن اپنی طرف مشغول رکھتا تھا اور تم بازار کی خرید و فروخت میں مگن رہتے تھے۔" (مستدرک۔ سنن سعید بن منصور۔ کنز العمال)

ایک اور آیت

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ "میں نے حضرت عمرؓ کے سامنے پڑھا لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَابْتَغَىٰ الثَّالِثَ وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلَىٰ مَنْ تَابَ۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا " مجھے ابیؓ بن کعب نے یہ آیت پڑھائی ہے" حضرت عمرؓ ابیؓ کے پاس گئے اور پوچھا تو انہوں نے کہا مجھے حضورؐ نے یہ آیت پڑھائی ہے۔

(مسند احمد۔ سنن سعید بن منصور۔ سنن ابو عوانہ۔ کنز العمال)

حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے بھی حضرت عمرؓ کو ڈانٹ دیا تھا

حضرت عبداللہ بن مسعود نے پڑھا لَا تَحْسَبَنَّ أَنَّ الْقُرْآنَ لَوْ وُجِّهَ ... طَلَبَ الْمَغْفِرَةِ تو حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا مجھے حضورؐ نے یونہی پڑھایا ہے دراصل مجھے قرآن اپنی طرف مشغول رکھتا تھا اور تم بازار کی خرید و فروخت میں مگن رہتے تھے اور ماجباس کے بھاؤ یاد کیا کرتے تھے" (سنن سعید بن منصور۔ سنن ابو عوانہ)

حضرت عمرؓ کے بدوؤں جیسی عبارت کہنے پر عبداللہ بن مسعود نے انہیں کیوں نہیں ڈانٹا تھا

پہلے آپ کتاب المصاحف ابن الانباری کے حوالہ سے پڑھ چکے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ قرآن جمع کرنے لگے اور حضرت عبداللہ بن مسعود یہ آیت لے کر آئے وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ وَإِنَّهُ فِيهِ إِلَىٰ آخِرِ الدَّهْرِ ○ تو حضرت عمرؓ نے کہا " ہٹاؤ اس بدوؤں جیسی عبارت کو" نہ معلوم اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ کیوں نہ کہا کہ مجھے قرآن اپنی طرف مشغول رکھتا تھا اور تم بازار کے بھاؤ یاد کیا کرتے تھے۔

روایت پرستو! فاروقِ اعظمؓ کی عظمت سے نہ کھیلو

صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کا جو احترام کرتے تھے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ خود حضورؐ ان حضرات سے جو محبت کرتے تھے وہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے " مجھے شیخین اس لئے محبوب ہیں کہ حضورؐ اکثر کہتے تھے "میں نے اور ابوبکرؓ و عمرؓ نے فلاں کام کیا۔" "میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ باہر نکلے" حتیٰ کہ مجھے یہ خیال آیا کہ حضورؐ مجلس کی حالت میں ہوں یا ہر وقت

سلہ اس سے ملتی جلتی عبارت پہلے بھی گزر چکی ہے مگر دونوں کو ملا کر دیکھئے ان میں کس قدر اختلاف ہے۔ (صدیقی)

انہیں ساتھ رکھتے تھے" ان لوگوں کا صحابہ کرامؓ کے دلوں میں اتنا احترام تھا مگر یہ کیسی دردانگیز بات ہے کہ روایات میں حضرت عمرؓ جیسی شخصیت کبریٰ کو کبھی ابی ابن کعبؓ ڈانٹتے ہیں اور کبھی عبداللہؓ بن مسعود۔ اور ڈانٹا بھی اس طرح جاتا ہے گویا وہ قرآن کا ذرہ برابر علم نہیں رکھتے۔ روایت پرستو! اللہ سے ڈرو اور ایسی روایات کو اپنی کتاب میں جگہ نہ دو۔ میں کہتا ہوں کہ اگر انہی کتب روایات کو تم نے دین سمجھ رکھا ہے تو تم سے بہت سخت باز پرس ہوگی۔

جملہ ہائے معترضہ کے بعد

ان معترضہ جملوں کے بعد پھر ہم اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس معاملہ میں ہمیں قطعی مجبور سمجھئے کیونکہ ایسے مواقع پر قلم بالکل بے قابو ہو کر بہک جاتا ہے اور ہم موضوع سے کچھ دور ہو جاتے ہیں۔

ایک آیت دنیا سے ناپید ہوگئی

امام ابن ابی داؤد نے حسن کے طریق سے روایت کی ہے کہ

"حضرت عمرؓ نے کتاب اللہ کی کوئی آیت دریافت کی تو لوگوں نے کہا وہ تو فلاں صحابی کے پاس تھی جو معرکہ یمامہ میں قتل ہو گئے آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ پڑھا"

(کتاب المصاحف۔ کنزالعمال۔ الاتقان)

اب تک آپ جو روایات پڑھتے آرہے تھے ان سے معلوم ہوتا تھا کہ آیات قرآن سے خارج ہو گئیں مگر روایات کی کتابوں میں مل جاتی ہیں۔ اب جو روایات آپ نے پڑھی ہے یہ زہری کے اس قول کی تائید کرتی ہے جو ابتدا میں درج کیا جا چکا ہے یعنی قرآن بہت اترا تھا پھر اس کا اکثر حصہ ضائع ہو گیا (معاذ اللہ) اب اور آگے چلئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ سورتوں کی سورتیں موجودہ قرآن سے غائب ہیں۔

معوذتین کے قُل کا حذف

ان روایات سے پیشتر ایک اور دلچسپ روایت سن لیجئے۔ حضرت ابیؓ بن کعب کہتے ہیں۔

"رسول خدا صلعم نے قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا قل، یعنی کہہ، تو میں نے آگے کہا ابیؓ کہتے ہیں میں بھی اسی طرح کہتا ہوں جس طرح حضورؐ نے کہا یعنی بغیر قل کے یہ دو سورتیں پڑھتا ہوں"

(بخاری پ ۲۰ قبل کتاب الجاب فضائل القرآن)

سورۂ اخلاص کا قل بچ گیا

تعجب ہے کہ یہاں فلسفیانہ موشگافی پیدا کر کے معوذتین کے "قل" حذف کئے گئے مگر قل ہو اللہ احد یعنی سورۂ اخلاص کا قل کیوں بچ گیا؟ اور دیگر مقامات پر خدا جہاں حضورؐ کو خطاب کر کے کہتا ہے اس حکم کے الفاظ بھی حذف نہ ہوئے۔ مثلاً اللہ نے فرمایا "اقرأ باسم ربک الذی خلق" تو یہاں "اقرأ" کو بھی حذف کرنا چاہیئے تھا۔ آخر صرف معوذتین کے "قل" کیوں حذف ہوئے؟ مگر معوذتین کے قل کو دفع کیجئے۔ روایات تو آپ کو یہ بھی بتاتی ہیں کہ معوذتین سرے سے قرآن کی سورتیں ہی نہیں۔ سنئے کہ آپ کی کتب روایات نے یہ بہتان

حضرت عبداللہ بن مسعود پر تراشا ہے۔

معوذتین یعنی سورۂ فلق اور سورۂ الناس قرآن میں شامل نہیں (معاذ اللہ)

روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود معوذتین کو اپنے مصحف میں نہیں لکھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ دونوں سورتیں کتاب اللہ کی نہیں بلکہ یہ تو محض جھاڑ پھونک کے لئے اور نجیب سے محفوظ رہنے کے لئے حضورؐ نے سکھائی تھیں۔" (مسند احمد۔ ابن حبان)

عبدالرحمٰن بن یزید النخعی روایت کرتے ہیں کہ

"حضرت عبداللہؓ بن مسعود معوذتین کو اپنے مصاحف سے مٹا دیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے یہ دونوں سورتیں کتاب اللہ میں شامل نہیں۔" (طبرانی۔ ابن مردویہ۔ زیادات المسند لابن احمد)

اسی عبدالرحمٰن بن یزید النخعی سے ایک اور طریق پر بھی یہ روایت وارد ہوئی ہے کہ

"حضرت عبداللہ بن مسعود معوذتین کو مصحف میں سے تراش دیا کرتے تھے یا مٹا دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ کتاب اللہ میں شامل نہیں۔ حضورؐ نے تو ان عبارات سے محض خدا سے پناہ طلبی کا حکم دیا تھا۔ اسی لئے وہ انہیں نہیں پڑھا کرتے تھے۔" (طبرانی۔ بزار)

ان روایات کو دیکھتے ہی عقلِ سلیم فیصلہ کرتی ہے کہ یہ سب بے بنیاد اور لغو روایتیں ہیں اور منافق لوگوں نے مسلمانوں کو قرآن سے بدظن کرنے کے لئے گھڑی ہیں۔ اعدائے قرآن کی عادت ہی یہی ہے کہ روایت کو تراش کر کسی بزرگ صحابی سے منسوب کر دیتے ہیں اور یہاں بھی وہی حربہ آزمایا گیا ہے۔ علامہ ابن حزم (جن کے متعلق میں کہا کرتا ہوں کہ وہ اپنے زمانے سے بہت پہلے پیدا ہو گئے تھے) نے بڑی صراحت سے لکھا ہے۔

"یہ حضرت عبداللہ بن مسعود پر کھلا اتہام ہے کہ وہ معوذتین کو قرآن سے مٹا دیا کرتے تھے اور انہیں داخل قرآن نہیں سمجھتے تھے۔" (القدح المعلیٰ لتتمیم المحلّٰی)

روایت پرستی کی حد ہوگئی

ہم بارہا کہتے ہیں کہ جب انسانی روایات کو معیار بنایا تو قدم قدم پر ٹھوکر کھانی پڑتی ہے اور ہر ہر گام پر لغزشیں اس کا دامن تھامتی ہیں۔ دیکھیے ہمارے روایت پرست بھائیوں کے سب سے بڑے سنی عالم ابن حجر نے کس طرح روایت پرستی کے زعم میں یہ باطل اصرار کیا ہے

"احمد، بزار، طبرانی وغیرہ محدثین نے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود جس مصحف میں معوذتین پاتے تھے مٹا دیتے تھے۔ لہٰذا جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود پر غلط الزام لگایا گیا ہے اس کی بات قابل قبول نہیں کیونکہ بغیر کسی دلیل اور سند کے صحیح روایتوں پر طعن کرنا جائز نہیں۔ حق یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے انکار کے متعلق جس قدر روایات ہیں وہ سب صحیح ہیں۔" (فتح الباری شرح بخاری)

ہم اس معاملہ میں قطعی کچھ نہیں کہتے۔ آپ جانیں اور آپ کی کتب روایات۔ ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں۔ ہم روایات کے انباروں کی لاج رکھنے کے لئے قرآن کو مشکوک قرار نہیں دے سکتے۔ یہ کام تو ابن جوزی کر سکتے تھے اور انہوں نے کر دیا۔

سورۃ فاتحہ بھی شامل قرآن نہیں — حضرت ابن مسعود پر ایک اور بہتان

مذکورہ روایات کے ساتھ اس کا ڈھول بھی پیٹا جاتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود سورۃ فاتحہ کو بھی شامل قرآن نہیں سمجھتے تھے اور جہاں بھی لکھی ہوئی پاتے مٹا دیتے تھے۔

(بزار - طبرانی - نوری - الاتقان)

حضرت ابی بن کعب صرف "قل" کے نہیں "کل" کے منکر تھے

ابھی ابھی آپ نے پڑھا تھا کہ حضرت ابی بن کعب معوذتین کے قل کو داخل قرآن نہیں سمجھتے تھے اب یہ بھی سن لیجئے کہ وہ کل کے کل معوذتین کو حضرت عبداللہ بن مسعود کی ہمنوائی میں داخل قرآن نہیں سمجھتے تھے۔ علامہ ابن کثیر کہتے ہیں "حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب معوذتین کو داخل قرآن نہیں سمجھتے تھے" (تفسیر ابن کثیر)

سورۃ الحفد اور الخلع

آپ متعجب ہوں گے کہ یہ سورتیں تو نہ ہم نے کبھی دیکھیں نہ سنیں۔ سوال یہ ہے کہ پہلے جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہ آپ نے کب دیکھا اور کب سنا تھا؟ روایات کہتی ہیں کہ قرآن میں دو اور سورتیں تھیں۔ ایک کا نام الحفد تھا اور ایک کا نام الخلع۔ یہ دونوں سورتیں حضرت عثمان نے قرآن میں درج نہیں کیں۔ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:-

ابن مسعودؓ نے چونکہ اپنے مصحف میں معوذتین نہیں لکھیں اس لئے اس میں محض ایک سو بارہ سورتیں ہیں اور ابیؓ کے مصحف میں ایک سو سولہ سورتیں ہیں اس لئے کہ انہوں نے اخیر پر سورۃ الحفد اور سورۃ الخلع بھی لکھی ہیں۔" (الاتقان ج اول)

امام محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ

"ابیؓ نے اپنے مصحف میں سورۃ فاتحہ۔ سورۃ الفلق۔ سورۃ الناس۔ سورۃ الحفد اور سورۃ الخلع لکھی ہیں مگر ابن مسعود نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے معوذتین اور سورۃ فاتحہ کو تو لکھ لیا مگر سورۃ الحفد اور سورۃ الخلع کو چھوڑ دیا" (فضائل القرآن لابی عبید)

حضرت علیؓ بھی سورۃ الحفد اور سورۃ الخلع کو داخل قرآن سمجھتے تھے

ابن لہیعہ کے طریق سے ابو عبیدہ کی روایت ہے کہ عبداللہ بن زریر الغافقی کہتے تھے۔

"مجھ سے عبدالملک بن مروان نے کہا۔ چونکہ تو ایک

خشک دماغ دیہاتی آدمی ہے اسی لئے علیؓ سے محبت رکھتا ہے"۔ میں نے کہا ؛ واللہ میں نے اس وقت قرآن پاک جمع کیا جب تیرے ماں باپ باہم ملے بھی نہ تھے اور اس قرآن میں سے حضرت علیؓ بن ابی طالب نے مجھے دو سورتیں سکھائیں جو نہ تو نے سیکھی ہیں اور نہ تیرے باپ نے سیکھی تھیں وہ ہیں سورۃ الحفد اور سورۃ الخلع جن کی عبارت یہ ہے :-

سورۃ الخلع :" اللّٰھم انا نستعینک ونستغفرک ونثنی علیک ولا نکفرک ونخلع ونترک من یفجرک "

سورۃ الحفد : " اللّٰھم ایاک نعبد ولک نصلی ونسجد والیک نسعیٰ و نحفد نرجو رحمتک ونخشیٰ عذابک ان عذابک بالکفار ملحق "

(طبرانی کتاب الدعا)

دیکھئے یہ وہی دعائے قنوت ہے جو آپ وتروں میں پڑھا کرتے ہیں۔ پس پہلے حصہ میں معمولی سا فرق ہے۔ ابن لعیم کی شیعیت ہیچ رہی ہے مگر طبرانی وغیرہ کے نزدیک یہ روایت معتبر ہے۔ اسی لئے تو نقل کر رہے ہیں۔

ابن الضریس کا قول بھی سنئے۔

"حضرت ابن عباسؓ کے مصحف میں ابیؓ اور ابو موسیٰؓ کی قرأت سے سورۃ الخلع اور سورۃ الحفد نقل کی گئیں "۔ (بیہقی)

ابو اسحٰق سے روایت ہے کہ

" خراسان میں امیر بن عبداللہ بن خالد بن اسید نے نماز میں ہماری امامت کی تو اس میں سورۃ الخلع اور سورۃ الحفد پڑھیں "۔ (طبرانی)

خالد بن ابی عمران سے روایت ہے کہ

" جس وقت نبی صلعم نے حالات نماز میں قوم مضر کے لئے بددعا کرنے کا ارادہ کیا اس وقت جبریلؑ نے یہ دونوں سورتیں الخلع اور الحفد مع آیہ کریمہ لیس لک من الامر شیئی " نازل کیں "۔ (بیہقی المراسیل ابوداؤد)

یہ روایات آپ ملاحظہ فرما چکے اب اور لطائف سنیئے۔

سورۂ براۃ سورۂ بقرہ کے برابر تھی

حاکم لکھتے ہیں۔

" سورہ براۃ کو لمبی سورتوں میں اس لئے رکھا گیا کہ پہلے پہل وہ سورۂ بقرہ کے برابر تھی۔ پھر اس کا آغاز ساقط ہو گیا "۔

(مستدرک الحاکم)

مالک سے مروی ہے کہ

"جس وقت سورہ براۃ کا آغاز ساقط ہو گیا تو بسم اللہ بھی نکل گئی کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ سورۂ براۃ طوالت میں سورۂ بقرہ کے برابر تھی۔ (اتقان ج اول)

آیت رضاعت

حضرت عائشہؓ صدیقہ پر یہ بہتان لگایا گیا ہے کہ وہ فرماتی تھیں

"قرآن میں اترا تھا کہ دس گھونٹ دودھ پینے سے رضاعت کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے پھر وہ منسوخ ہو گئی۔ اور پانچ گھونٹ کا حکم آیا یعنی خَمْسُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ یُحَرِّمْنَ ——— کی آیت اتری جو قرآن میں پڑھی جاتی ہے" (صحیح مسلم پ ۵ ۔ نسائی باب ۱۲)

مسلمانو! آج دنیا میں قرآن کے قدیم و جدید اربوں نسخے موجود ہیں۔ لاکھوں حافظ ہیں کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ جس آیت کا ذکر اس روایت میں کیا گیا ہے کہیں کسی حافظ کو یاد ہو یا قرآن کے کسی نسخے میں لکھی ہوئی موجود ہو۔ روایت پرستو! اٹھو تم ہی مسلم اور نسائی کی لاج رکھ لو۔ یہ تمہاری صحاح ستہ میں سے ہیں۔ "اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون" اچھا اور سنئے۔

رضاع الکبیر اور رجم کی آیات بکری کھا گئی

ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ کی طرف یہ جھوٹی روایت منسوب کی گئی ہے کہ معاذ اللہ انہوں نے فرمایا۔

"آیۂ رجم اور آیۂ رضاع الکبیر میرے تخت کے نیچے ایک صحیفے میں تھیں جب حضورؐ نے رحلت فرمائی اور ہم اس حادثۂ فاجعہ کے انتظام میں مشغول ہوئے تو گھر کی پالتو بکری آئی اور یہ صحیفہ کھا گئی" (سنن ابن ماجہ باب رضاع الکبیر)

ہم نے دانستہ شیعوں کی روایات حذف کی ہیں اگر ان کو بھی لیا جائے تو وہاں بھی ایک بکری ہے جو حضرت عثمانؓ کی پالتو ہے اور آخری دس پارے کھا جاتی ہے مگر یہ تو سنیوں کی بکری تھی جو دو آیتیں ہی نگل سکی۔

آیۂ رجم

آیۂ رجم کے متعلق آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ یہ وہ آیت ہے جو حضرت عمرؓ نے کر گئے تھے لیکن چونکہ ان کا کوئی گواہ نہ تھا اس لئے یہ آیت نہ لکھی گئی۔ ابھی ابھی آپ نے پڑھا کہ یہ آیت ایک صحیفہ پر لکھی ہوئی تخت کے نیچے رکھی تھی اور بکری نے کھالی تھی۔ اب ہم ذرا وضاحت سے اس کے متعلق لکھتے ہیں۔ سب سے پہلے تو وہ روایت دیکھئے جس میں حضرت عمرؓ نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی آیت تھی۔

"حضرت عمرؓ نے فرمایا یقیناً خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق و صداقت کے ساتھ بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی جس میں آیۂ رجم بھی شامل تھی۔ پس خدا کے حکم کے مطابق حضورؐ نے بھی سنگسار کیا اور ہم نے بھی سنگسار کیا اور کتاب اللہ میں سنگسار کیا جانا زانی کی سزا ہے۔ آیۂ رجم یوں ہے۔ اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھُمَا اَلْبَتَّۃَ نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ" (متفق علیہ)

غرضیکہ یہ ہے وہ آیۂ رجم جس کے متعلق حضرت عمرؓ فاروق سے یہ جھوٹی روایت منسوب کی جاتی ہے کہ وہ اسے قرآن حکیم کی آیت قرار دیتے تھے اور اسی روایت پر شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

قرآن اور زنا کی سزا

زنا کی سزا کے سلسلے میں قرآن حکیم سے بنصِ صریح ثابت ہے کہ ہر زانی کو سو کوڑے مارے جائیں۔ خدائے قدوس کا ارشاد ہے۔

اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ ۝ (زانیہ اور زانی میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو) یہاں کسی قسم کی تخصیص نہیں کی گئی بلکہ ہر زنا کے مرتکب کی یہ سزا بتائی گئی ہے۔ چاہے وہ شادی شدہ ہو یا کنوارا۔ مگر روایت پرست کہتے ہیں کہ قرآن کا حکم صرف کنواروں کے لئے ہے شادی شدہ کی سزا سنگسار کرنا ہے۔ مگر قرآن کسی کی باطل تاویلات کے لئے گنجائش کہاں چھوڑتا ہے؟

سورۃ نساء میں ہے۔

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَۃٍ فَعَلَیْھِنَّ نِصْفُ مَا عَلَی الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ط (۴/۲۵)

پھر جب لونڈیاں نکاح میں لائی جائیں تو اگر وہ زنا کا ارتکاب کریں تو ان کے لئے آزاد عورتوں کی سزا سے آدھی سزا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ لونڈیاں اگر شادی شدہ ہوں اور زنا کی مرتکب ہوں تو انہیں آزاد شادی شدہ عورتوں سے نصف سزا دی جائے۔ سو کوڑوں کا نصف تو پچاس کوڑے ہوئے مگر رجم کا نصف کیا ہوگا۔ کیا روایت پرست تشریح کر سکتے ہیں؟

الشیخ والشیخۃ کا مفہوم

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ آیۂ رجم ہے "الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھا" الخ۔ اس کے معنی کئے جاتے ہیں "شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت اگر زنا کے مرتکب ہوں تو دونوں کو سنگسار کیا جائے۔" عربی کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ "شیخ" کے معنی "شادی شدہ" دنیا کے کسی لغت میں نہیں۔ عربی میں تو پچاس سال سے اوپر کے آدمی کو شیخ کہتے ہیں۔ قرآن بھی "شیخ" کا لفظ بہت بوڑھے اور از کار رفتہ آدمی کے لئے استعمال کرتا ہے۔ دیکھئے جب ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو اسحٰقؑ کی بشارت ملتی ہے تو وہ حیران ہو کر کہتی ہیں۔

ءَ اَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّ ھٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا ط ۔ (۱۱/۷۲)

میں جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور میرا خاوند بھی بوڑھا ہے۔

یہاں سے ظاہر ہے کہ "شیخ" اس عمر کے آدمی کو کہتے ہیں جس سے توالد و تناسل سے بظاہر نا امیدی ہو۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بوڑھی عورت کے لئے "الشیخۃ" نہیں بلکہ "عجوز" استعمال ہوتا ہے۔ الشیخۃ قطعی غیر فصیح لفظ ہے۔

جو لوگ اسے قرآن کی آیت قرار دیتے ہیں وہ سوچیں تو سہی کہ کیا قرآن شادی شدہ جوڑے کے لئے ایسے الفاظ

استعمال کر سکتا ہے جو ستہ عربی دان طبقہ واقف نہ ہو اور پھر حضرت عمرؓ پر یہ کتنا بڑا الزام ہے کہ وہ شیخ کو شادی شدہ کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ دنیا بھر کے روایت پرستوں کو چیلنج ہے کہ کسی لغت میں شیخ کا وہ مفہوم دکھا دیں جو یہ لوگ لیا کرتے ہیں۔

ناسخ منسوخ کی مختصر بحث

روایت پرستوں کا یہ بھی نظریہ ہے کہ قرآن کے بعض احکام منسوخ ہو گئے ہیں۔ نسخ کا مسئلہ ہم بالتفصیل مقدمہ تفسیر القرآن میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں ہم صرف اتنا بتانے ہیں کہ ہمارے علمائے کرام کہتے ہیں یہ آیت تلاوت میں تو منسوخ ہو چکی ہے مگر اس کا حکم باقی ہے۔

حنفیو! خدا لگتی کہو

درسِ نظامی میں نور الانوار ابتدائی کتاب ہے جس میں بتایا جاتا ہے کہ آیۂ رجم قرآن کی آیت تھی وہ تلاوت میں منسوخ ہو گئی یعنی قرآن حکیم سے خارج کر دی گئی مگر اس کا حکم باقی ہے۔

حنفی علماء یہی کتاب پڑھتے ہیں اور اسی بات پر ان کا ایمان ہے کہ یہ آیت قرآن سے حذف ہو گئی۔ آپ کے علماء کا یہی عقیدہ ان سے پوچھئے اور پھر ان سے یہ بھی پوچھ لیجئے کہ جو شخص قرآن میں کمی بیشی مانے اس کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟ بلکہ میں خود علمائے کرام سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ قرآن میں تحریف کے قائل نہیں؟ اللہ کو گواہ بنا کر کہئیے کہ کیا آپ کا یہی عقیدہ نہیں؟ کیا میں نے کوئی غلط بات آپ کی طرف منسوب کی ہے؟ اور ہاں کیا آپ اس بات کی کوئی صحیح تاویل پیش کر سکتے ہیں کہ جس آیت کا حکم باقی ہو اسے تلاوت میں منسوخ کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

اس بحث کو یہیں ختم کر کے ہم پھر موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ آپ یہ پڑھ رہے تھے کہ روایات کے قرآن میں کمی بیشی ہو گئی ہے اس موضوع پر ایک اور روایت پیش کر کے ہم اس موضوع کو ختم کرتے ہیں۔

قرآن کی دو سورتیں ناپید ہیں (معاذ اللہ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری نے بصرہ کے پانچ سو قاریانِ قرآن کی جماعت سے کہا ہم ایک سورۃ پڑھا کرتے تھے جسے ہم طوالت و وقت کے لحاظ سے سورہ براۃ سے متشابہ کرتے تھے۔ وہ سورت بھلا دی گئی فقط یہ الفاظ یاد ہیں تو کلثم الخ اور ہم ایک سورۃ پڑھا کرتے تھے جسے ہم سورۃ تسبیحات سے مشابہ کرتے تھے وہ بھی یاد نہیں رہی فقط یہ الفاظ یاد ہیں" یا ایہا الذین الخ یہ (صحیح مسلم)

قرآن کے بعض الفاظ کا مفہوم صحابہؓ کو بھی معلوم نہ تھا (معاذ اللہ)

قرآن حکیم کا دعویٰ ہے کہ وہ عربی مبین میں نازل ہوا اور وہ بھی اس لئے کہ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (یعنی اسے تم سمجھو) کیا آپ یہ تصور بھی کر سکتے ہیں کہ قرآن کا کوئی لفظ ہو اور صحابہؓ کرام اس کے معانی نہ جانتے ہوں لیکن ان روایات کو دیکھئے۔

"ابراہیم التیمی سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ صدیق سے آیہ کریمہ وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا کے معانی

دریافت کئے گئے تو انہوں نے کہا کہ میں کس آسمان کے نیچے اور کس زمین پر رہوں گا اگر میں کتاب اللہ میں وہ بات کہہ دوں جس کا مجھے علم نہیں" (کتاب الفضائل لابی عبید)

یہاں آپ نے دیکھا کہ فاکھۃ اور اَبّ کے معانی معاذ اللہ حضرت صدیق رض کو معلوم نہ تھے اب اور سنئے۔

"حضرت انس رض سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے برسر منبر فاکھۃ و اباً پڑھا اور فرمایا اس فاکھۃ کو تو ہم جانتے ہیں مگر "ابّا" کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی سوال کا جواب دیا۔ اے عمر اس بات کا دریافت کرنا سخت مشکل اور دشوار ہے" (کتاب الفضائل۔ الاتقان)

لیجئے حضرت عمر کو فاکھۃ کے معانی تو معلوم ہو گئے مگر اَبّا پھر بھی ان کی سمجھ سے بالاتر رہا۔ نعوذ باللہ ہم ان دو لفظوں کے معانی بیان کر کے اور روایات پیش کرتے ہیں۔

فاکھۃ (اسم) عربی کا کوئی سا لغت اٹھا کر دیکھ لیجئے فاکھۃ کے معنی "ہر قسم کا پھل" لکھے ملیں گے۔

اَبّاً کے معنی ہیں تر و تازہ اور شاداب گھاس یہ اَبَّ، یَؤُبُّ، اَبًّا، اباب سے ہے جس کے معنی ہیں نمودار ہونا، ظاہر ہونا۔ ہر لغت میں یہی معانی ہیں تو پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر رض جن کا شمار مشہور خطیبوں میں ہوتا تھا اور حضرت عمر فاروق رض جنہیں لسان قریش کہا گیا ہے وہ ان کے معانی سے ناواقف ہوں۔

اب اور روایات سنئے۔

"سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ میں نے حَنَانًا[1] کے معنی حضرت ابن عباس رض سے دریافت کئے تھے انہوں نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا تھا" (ابن جریر۔ الاتقان۔ کتاب الفضائل)

عکرمہ روایت کرتے ہیں۔

"حضرت ابن عباس رض نے فرمایا "واللہ میں نہیں جانتا کہ حنانًا کے معنی کیا ہیں" (ابن جریر۔ الاتقان)

انہی عکرمہ سے روایت ہے کہ

"حضرت ابن عباس رض نے کہا میں تمام قرآن کو سمجھتا ہوں مگر غسلین[2]۔ حنانا، اواہ[3]، الرقیم[4] کے معنی مجھے معلوم نہیں" (ابن جریر۔ الاتقان)

مجاہد سے روایت ہے کہ

---

[1] حنانا (اسم) کے معنی ہیں رقت القلب ۔ سوز و گداز ۔ عربی میں عام مستعمل ہے۔ (سیفی)

[2] غسلین (اسم) کے معنی ہیں انتہائی گرم [3] اواہ (اسم) رحمدل۔ غم خوار۔ [4] الرقیم ۔ مشہور شہر ہے جسے توریت میں راقیم کہا گیا ہے بعد میں اس کا نام پیٹرا مشہور ہوا۔ خلیج عقبہ کی شمالی سطح مرتفع پر واقع تھا۔ (سیفی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ غسلین کے کیا معنی ہیں؟ مگر میرا خیال ہے کہ وہ زقوم (تھوہر) ہے۔ (ابن جریر۔ الاتقان۔ کتاب الفضائل)

ایک عیسائی کے اعتراض کا حضورؐ بھی صحیح جواب نہ دے سکے (معاذ اللہ)

قرآن حکیم میں حضرت مریمؑ کے متعلق کہا گیا ہے یا اُخْتَ هٰرُوْنَ عام طور پر اس کے معنی کئے جاتے ہیں (اے ہارونؑ کی بہن) ان معانی پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن حکیم نے صرف ایک ہارونؑ کا ذکر کیا ہے جو موسیٰؑ کے بھائی تھے اور وہ حضرت مریمؑ سے سینکڑوں سال پہلے گزر چکے تھے۔ قرآن کے انداز سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مریمؑ اپنے والدین کی پہلوٹھی لڑکی تھیں اور ان کی ولادت سے پہلے ہی ان کا باپ فوت ہو چکا تھا۔ کسی جگہ بھی یہ بیان نہیں آیا کہ ان کا کوئی بھائی ہارون نام کا ہو۔ تو پھر اسے اُخت ہارونؑ کہنا کیونکر جائز ہے۔ اصل میں یہ اعتراض وہی لوگ کر سکتے ہیں جو عرب کے ماحول سے ناواقف ہیں اور عربی ادب پر بھی پورا عبور نہیں رکھتے ورنہ وہ اتنی بات جانتے ہوئے کہ اہل عرب جب بنی کلاب کے کسی فرد کو پکارتے ہیں تو کہتے ہیں یا اخا کلاب (اے کلاب کے بھائی) اسی طرح جس قبیلہ کے فرد کو بھی پکارا جائے یونہی پکارا جاتا ہے۔ "یا اخا تمیم" عورتوں کو پکارنے کے لئے اخت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے "یا اخت حازم" وغیرہ۔ چونکہ حضرت مریمؑ بھی حضرت ہارون کے قبیلہ سے تھیں اس لئے کہا گیا "یا اخت ہارون" اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں تھی مگر دیکھئے کہ حضورؐ کی طرف اس اعتراض کے جواب میں کیا جواب منسوب کیا گیا ہے جو عربیت سے ناواقفیت پر دلالت کرتا ہے روایات سنئے۔

"مغیرہ بن شعبہ سے کہتے ہیں کہ جب میں نجران میں آیا تو وہاں کے لوگوں نے (عیسائیوں نے) مجھ پر اعتراض کیا کہ تم سورۂ مریم میں پڑھتے ہو "یا اخت ہارونؑ" گویا حضرت مریمؑ کو ہارونؑ کی بہن کہتے ہو حالانکہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے بھائی تھے اور حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام سے اتنی مدت پہلے تھے پھر مریم ان کی بہن کیوں کر ہو سکتی ہیں؟ جب میں رسولِ خدا صلعم کے پاس آیا تو میں نے ان سے پوچھا آپؐ نے فرمایا یہ وہ ہارون نہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے۔ بلکہ بنی اسرائیل کی عادت تھی کہ وہ پیغمبروں اور نیکوں کے نام پر نام رکھتے تھے" (صحیح مسلم)

دیکھئے ان روایات سے گویا ہمارے روایت پرست یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن حکیم کے الفاظ کے معانی صحابہ کرامؓ کو بھی نہیں آتے تھے بلکہ بعض مقامات تو خود صاحبِ قرآن جناب سرورِ کائنات صلعم بھی نہیں سمجھ سکتے تھے (معاذ اللہ) عرب کا تو ہر آدمی اخت ہارونؑ کا مفہوم سمجھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ عجمیوں کی روایات کو اپنا رہنما نہ بنائے۔

تکملہ اس مضمون میں اکثر حوالجات امام ابن ابی داؤد کی کتاب المصاحف کے ہیں۔ ہم نے کہیں حاشیہ میں وعدہ کیا تھا کہ ان کا اور ان کی کتاب کا تعارف کرایا جائے گا۔ یہ فصل اسی وعدہ کے ایفا کے لئے قلمبند کی جا رہی ہے۔

کتاب المصاحف کا اجمالی تعارف

مشہور محدث امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی کا نام تو آپ نے سنا ہو گا۔ حدیث کی مشہور کتاب سنن ابوداؤد جو صحاح ستہ میں شمار کی جاتی ہے ان کی ہی تالیف ہے۔ کتاب المصاحف کے مؤلف ابوبکر عبداللہ بن ابی داؤد انہی کے فرزند ہیں۔ ان کا سال پیدائش ۲۳۰ھ اور سال وفات ۳۱۶ھ بیان کیا جاتا ہے۔ امام ابن الجزری نے لکھا ہے کہ وہ بڑے ثقہ اور معتبر آدمی ہیں۔ کتاب المغنی میں ہے کہ اکثر محدثین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ یہ بغداد میں امام عراق کے نام سے مشہور تھے۔ عوام اور خواص میں ان کا بے حد احترام تھا بغداد کی جامع مسجد میں سلطانِ وقت نے ان کے لئے ایک منبر نصب کرایا تھا جس پر بیٹھ کر احادیث بیان کیا کرتے تھے۔ عراق کے عام مشائخ نے ان سے احادیث سنیں اور لکھیں مگر لکھنے والوں میں سے کوئی بھی ان کے مرتبۂ عظمیٰ تک نہ پہنچ سکا۔ ابن شاہین کا بیان ہے کہ وہ حافظ حدیث تھے۔ نابینا ہو گئے تو منبر پر بیٹھ جاتے تھے نچلے درجے پر ان کے صاحبزادے ابومعمر ہاتھ میں کتاب لیکر بیٹھ جاتے اور بتاتے فلاں حدیث اور ابن داؤد محض اپنے حافظے کے بل بوتے پر احادیث بیان کر دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مشہور محدث عمرو بن اللیث کے زمانہ میں سجستان گئے تو آس پاس کے محدثین جمع ہو کر ان کے پاس آئے۔ اور احادیث بیان کرنے کو کہا انہوں نے بہت انکار کیا کہ میرے پاس کتاب نہیں۔ مگر لوگوں نے کہا کہ امام داؤد کا بیٹا کتاب کا محتاج کیسے ہو سکتا ہے لوگوں کے بے حد اصرار کے باعث انہیں اپنے حافظے سے احادیث بیان کرنا پڑیں۔ جب یہ بغداد واپس آئے اہل بغداد کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو بعض ہمعصروں نے چشمک کے باعث کہا "یہ سجستانیوں سے مذاق کر آئے ہیں"۔ کچھ کاتب سجستان بھیجے گئے وہ وہاں سے ان کی سنائی ہوئی احادیث نقل کر لائے تو بغداد کے حفاظِ حدیث نے صرف چھ احادیث میں ان کی تغلیط کی۔

کتاب المصاحف چھپ چکی ہے

یہی وہ بہت بڑے محدث ہیں جنہوں نے کتاب المصاحف قلمبند فرما کر روایت پرستوں کی دنیا پر بہت بڑا احسان کیا ہے اس کتاب میں جو کچھ ہے اس کا معتد بہ حصہ ہم نقل کر چکے ہیں اس کتاب ہی کا کرشمہ ہے کہ توریت و انجیل کے علمبرداروں کو قرآن پر طعن کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا ہے۔ چنانچہ آرتھر جیفرے (ARTHUR JEFFERY) نے ایک کتاب لکھی ہے۔

(MATERIALS FOR THE HISTORY OF THE TEXT OF THE QURAN)

جس میں کتاب المصاحف کی روایات کو جمع کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن میں تغیر و تبدل ہو چکا ہے مصنف مذکور نے کتاب المصاحف بھی شائع کرا دی ہے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ متعصب عیسائی نے اپنی طرف سے یہ روایات جمع کر لی ہیں۔

یہ ہے کتاب المصاحف اور یہ ہے اس کی اشاعت کا سبب۔ آپ کے اس ثقہ محدث نے غیر مسلموں کو یہ مواد فراہم کیا ہے کہ آج وہ سر اٹھا کر کہہ رہے ہیں کہ قرآن غیر محفوظ ہے۔

عیسائیت کیوں ترقی کر رہی ہے؟

عیسائی مشنریوں نے مشرقِ وسطیٰ میں اپنی تبلیغ سے اس قدر اثر پیدا کیا ہے کہ ایک ہی سال میں سینکڑوں مسلمان عیسائیت کی گود میں چلے جاتے ہیں آخر کیوں؟ کیا عیسائیت کوئی ایسا مذہب ہے جو عقل کو اپیل کر سکے؟ کیا عیسائی مسلمانوں کو عیسائی بنا کر انہیں مال و دولت کے ڈھیر بخش دیتے ہیں؟ نہیں کچھ بھی نہیں، پھر آخر عیسائیت کی ترقی کی وجہ کیا ہے؟ اس سوال کا جواب مندرجہ ذیل خط میں ملے گا۔ جو لبنان کے ایک نوجوان عبد اللہ مسیح نے مجھے لکھا ہے جو پہلے مسلمان تھا پھر عیسائی ہو گیا۔ عرصہ تک عیسائی رہا۔ اسی اثناء میں اس نے میری ضخیم کتاب مقدمہ تفسیر القرآن دیکھی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کا دل منور ہو گیا۔ اور وہ پھر مسیحیت سے توبہ کر کے اسلام کے آغوشِ رحمت میں آ گیا اس کے مسلمان ہونے کی توثیق شیخ لبنان ساعد المسعد سی نے بھی کی۔ خط کا متن یہ ہے۔

" بدنصیب عبد اللہ لبنانی کی طرف سے شیخ الاسلام علامۂ عصر حضرت السید احمد السیفی کی خدمت میں۔

السلام علیکم یا شیخ

میں ایک بدقسمت نوجوان ہوں جسے تلاشِ حق کے سلسلہ میں مختلف راہوں سے گزرنا پڑا۔ چند سال ہونے کو آئے میں عیسائی ہو گیا۔ میرے عیسائی ہونے کی داستان دردناک ہونے کے ساتھ ساتھ عجیب بھی ہے۔ اللہ عالم الغیب گواہ ہے کہ میں کسی دنیوی مال و دولت کے لئے عیسائی نہیں ہوا تھا سب سے پہلے مجھے مسیحیت کی طرف ترغیب تو اس بات سے ہوئی کہ ہماری مسجد کا مولوی جمعہ کی تقریروں میں ہمیں تلقین کرتا رہتا تھا کہ عیسائیوں کی کتابیں نہ پڑھو۔ انسان کے دل میں تجسس کا مادہ فطری ہے جس چیز سے اسے منع کیا جاتا ہے یہ ادھر لپکنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر مخالفت اگر ٹھوس عقلی بنیادوں پر ہو تو بھی ایک بات ہے اگر محض مخالفت کے لئے دوسروں پر گندگی اچھالی جائے تو سننے والوں کے دلوں میں الٹا یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ دیکھ تو لیں آخر اس لٹریچر میں ہے کیا جسکے باعث اتنی سختی سے منع کیا جا رہا ہے چنانچہ میں نے عیسائیوں کی کتابیں دیکھنی شروع کیں۔ ایک کتاب تھی (HISTORY OF THE QURAN) اس میں ایسی احادیث درج کی گئیں تھیں جن سے ثابت ہوتا تھا کہ قرآن میں تحریف لفظی ہو گئی ہے۔ مختلف زمانوں میں قرآن کے نسخے مختلف رہے ہیں۔ یہ کتاب پڑھ کر دل میں خلش پیدا ہوئی۔ میں نے اپنے دوست ابن الثابت کو یہ کتاب دکھائی اس نے بھی پڑھی ہم نے اپنی حدیث کی کتابوں سے اس کے حوالے ملائے بالکل درست تھے قرآن بالکل مشکوک ہو گیا تھا۔ میرے دوست تو دہریے ہو گئے اور میں عیسائی ہو گیا۔ جب بخاری و مسلم جیسے اکابر محدثین بھی قرآن کے متعلق ایسے اعتقادات رکھتے تھے تو ہم کیوں نہ کہتے کہ قرآن مشکوک ہے؟ عرصے تک میں عیسائی رہا ایک روز ایک صاحب ابو بکر اللیث ہمارے پادری ایف۔ جی۔ بڈ سے ملنے آئے۔ میں ابو بکر اللیث کو عرصے سے جانتا ہوں وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر مسلمان انہیں کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے یہاں منکر حدیث مشہور ہیں۔ انہوں نے پادری سے ادھر ادھر کی دو باتیں کیں اور پھر ایک موٹی سی کتاب انہیں دے کر

چلے گئے۔ پادری نے بڑی بے نیازی سے اس کتاب کے ورق الٹے پلٹے اور پھر رکھ دی۔ میں نے کہا اگر اجازت ہو تو میں یہ کتاب پڑھ لوں۔ انہوں نے بخوشی وہ کتاب مجھے دے دی۔ اور کہا جہاں اپنے عقیدہ پر کوئی چوٹ آئے مجھے دکھا دینا۔ میں کتاب گھرلے گیا۔ یہ آپ کی کتاب مقدمہ تفسیر القرآن تھی میں نے سب سے پہلے اس کا وہ باب دیکھا جس میں دنیا بھر کے مذاہب کی کتابوں کو محرف ثابت کیا گیا ہے اور قرآن کو محفوظ ثابت کیا گیا ہے۔ میری آنکھیں کھلیں میں نے بار بار یہ باب پڑھا۔ اس کے حوالے کتابوں میں دیکھے اور پھر ابوبکر اللیث سے مل کر اپنے تاثرات کا اظہار کیا انہوں نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں معمول سے زیادہ کھول لیں اور کہا۔ ٹھیک ہے کتاب کا مقصد حاصل ہو گیا۔ خدا مصنف کو تادیر سلامت رکھے۔ میں نے ان سے آپ کا پتہ حاصل کیا اور یہ خط لکھ رہا ہوں۔ اب اللہ کے فضل سے میں مسلمان ہوں۔"

یہ خط آپ نے پڑھ لیا اب اندازہ کیجئے کہ آپ کی روایات "دین کی خدمت" کا کیسا اہم فریضہ ادا کر رہی ہیں؟

اہلِ دانش غور کریں

اے وہ لوگو! جو علم و بصیرت کو اپنا راہ نما جانتے ہو تم نے میرا یہ مضمون پڑھ لیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر روایات کو دین تسلیم کیا جائے تو قرآن مشکوک ٹھہرتا ہے اور اگر قرآن کو دین تسلیم کیا جائے تو روایات مشکوک ٹھہرتی ہیں اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ قرآن کو مآخذ مانو یا روایات کو۔ دونوں کو بیک وقت تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ تم کہہ سکتے ہو اور تمہارے علمائے کرام بھی دبے لفظوں یہی کہتے ہیں کہ ان روایات کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ جو قرآن کو مشکوک ٹھہراتی ہیں باقی روایات دین کا ماخذ ہیں مگر دوستو! غور کرو، آج اگر ایک شخص کہہ دے کہ قرآن کی فلاں آیت غلط ہے۔ قرآن کا اتنا حصہ ضائع ہو گیا۔ قرآن کی بعض آیات لکھنے سے رہ گئیں تو حیرت سے تمہارا منہ شرقاً غرباً لمبا ہو جائے گا۔ اور پھر غصہ میں آکر تم اسے مارنے دوڑو گے۔ تمہارے علماء بھی تمہاری پیٹھیں تھپکائیں گے کہ ایسے شخص کو قتل کر کے جنت خرید لو مگر تمہاری کتب روایات میں یہ سب کچھ بھرا ہوا ہے جن لوگوں نے اس قسم کی روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے ان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا انہوں نے غلط سمجھتے ہوئے بھی ان روایات کو اپنی کتابوں میں لکھ دیا ہے؟

ہم بھی جامعینِ روایت کا پورا احترام کرتے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ کی کتابوں میں اوروں نے ایسی روایات گھسیڑ دی ہیں۔ کیا قرآن میں تحریف لفظی ماننے سے یہ بہتر نہیں کہ کہہ دیا جائے ان کتابوں میں تحریف لفظی ہو گئی؟ مگر یہی کچھ بھی کہہ دیکھو، علمائے کرام تمہارا منہ نوچ لیں۔ ہاں یہ کہتے رہو کہ قرآن سے آیہ رجم نکل گئی انہیں کوئی غصہ نہیں آئے گا۔ اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

طلوعِ اسلام

جمع قرآن کے سلسلے میں، اس سے پہلے بھی طلوع اسلام میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ بالخصوص نومبر سنہ ۱۹۵۲ء میں۔

اس میں ایک طویل مقالہ شائع ہوا تھا۔ جس کا عنوان تھا۔ "قرآن کریم روایات کے آئینے میں" یہ مضمون بعد میں کتاب مقام حدیث میں شامل کر دیا گیا تھا۔ اس میں علاوہ متعدد روایات کے کتاب المصاحف کے اکثر اقتباسات بھی دیئے گئے تھے۔ نیز مختلف مصاحف کے اختلافی مقامات بھی تفصیل سے درج کئے گئے تھے۔ اس سے پہلے، اگست ستمبر سنہ ۱۹۵۲ء کے مشترکہ طلوع اسلام میں، علامہ تمنا عمادی مدظلہ کا مبسوط مقالہ احادیث جمع القرآن کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ علامہ سیفی کا یہ مقالہ اسی سلسلۂ مضامین کی ایک کڑی ہے۔ ہم اس عنوان پر اس قدر شرح و بسط سے لکھنا اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ اسلام کے آخری اور مکمل دین ہونے کے دعوے کا مدار اس پر ہے کہ قرآن کریم حرفاً حرفاً وہی ہے جو خدا کی طرف سے نبی اکرمؐ کو ملا اور جسے نبی اکرمؐ نے مرتب شکل میں امت کو دیا۔ اگر یہ حقیقت مشکوک ہو جائے تو اسلام کے دینِ واحد و مکمل ہونے کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔ چونکہ قرآن کے متعلق اس قسم کے شکوک ہماری کتبِ روایات سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے ان روایات کی تنقید ازبس ناگزیر ہے۔ آپ طلوع اسلام میں شائع شدہ مقالہ "قرآن کریم روایات کے آئینے میں" اور علامہ سیفی صاحب کا زیرِ نظر مقالہ دیکھئے۔ آپ دیکھیں گے کہ ان دونوں میں کس قدر توارد ہے۔ یہ اس لئے کہ دونوں کا منبع علم و یقین ایک ہی ہے ــــ یعنی قرآن کریم۔

مفکرِ قرآن کی سالہا سال کی مسلسل کاوشِ فکر و بصیرت کا شاہکار

مفہوم القرآن

قرآنی حقائق کو سمجھنے اور سمجھانے کا یہ دل نشین اور بصیرت افروز سلسلہ پاکستان اور بیرونِ پاکستان کے علمی حلقوں میں برابر مرکزِ توجہ بنتا جا رہا ہے۔ خدا کی آخری کتاب کے عالم آرا پیغام کو سمجھنے کے لئے اس سے پوری طرح استفادہ کیجئے۔

اسے ایک ایک پارہ کر کے شائع کیا جا رہا ہے اور اب تک ۱۸ پارے شائع ہو چکے ہیں۔

پہلے دس پارے یکجا طور پر مجلد بھی ملتے ہیں۔ پہلا پارہ ۳ روپے۔ (سستا ایڈیشن۔ ایک روپیہ)

ہر دوسرا پارہ ۲ روپے فی پارہ ــــ دس پارے مجلد ــــ ۲۳ روپے۔

ادارۂ طلوع اسلام ۲۵-بی - گلبرگ لاہور سے بھی مل سکتا ہے۔

بچوں کا صفحہ

سُنی سُنائی بات پر عمل نہ کرو

جاوید کا باپ دفتر سے واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ جاوید مکان کے صحن میں اکیلا بیٹھا ہے اور اُداس سا ہے اس نے کہا کہ "بیٹا! آج تم اکیلے کیوں ہو۔ کیا حمید کھیلنے کے لئے نہیں آیا؟" پہلے تو جاوید نے کوئی جواب نہ دیا لیکن باپ کے اصرار پر ان دونوں میں یہ گفتگو ہوئی۔

جاوید — "وہ آیا تو تھا لیکن میں نے اس سے کہہ دیا کہ تم یہاں نہ آیا کرو۔ میں تم سے کبھی نہیں بولوں گا"

جاوید کے ابا — "کیوں بیٹا! کیا بات ہوئی۔ حمید تو بہت اچھا لڑکا ہے"

جاوید — نہیں ابّا جان وہ اچھا لڑکا نہیں ہے وہ بڑا خراب لڑکا ہے۔ میں اس سے کبھی نہیں بولوں گا۔ میں اُسے یہاں نہیں

آئے دوں گا۔"
جاوید کا ابا۔ وہ کیا بات
ہوئی ہے جس
سے تمہیں معلوم
ہوا کہ وہ خراب
لڑکا ہے۔ وہ تو
تمہارا پرانا دوست
ہے۔"
جاوید۔ "میں بھی اُسے
ایسا ہی سمجھتا تھا لیکن
آج اصغر نے مجھ
سے کہا کہ جاوید
تمہارے خلاف اسکول
میں بُری بُری باتیں
کہتا رہتا ہے اور
لڑکوں سے کہتا ہے
کہ وہ نہ تمہارے
ساتھ بولیں نہ کھیلیں۔"
جاوید کا ابا۔ تم نے بیٹا!
حمید سے اس کی
بابت پوچھا ہے
یا دوسرے لڑکوں
سے تحقیق کر لیا ہے
کہ اصغر سچ کہتا ہے۔"
جاوید۔ "نہیں ابا جان! میں
نے کسی سے نہیں
پوچھا۔ اصغر نے
مجھے تاکید کر دی
تھی کہ اس بات
کا ذکر کسی سے
نہ کرنا۔ اور کرنا
بھی تو میرا نام
ہرگز نہ لینا۔"
جاوید کا ابا۔ بیٹا! یہ تو

بُری بات ہے کہ تم بغیر تحقیق کئے کسی کے متعلق ایسی رائے قائم کرلو۔ خدا کا حکم ہے کہ محض سُنی سنائی بات پر عمل مت کرو۔ جب تک تم کسی بات کی خود تحقیق نہ کرلو اس کے پیچھے مت لگا کرو"

اس پر جاوید خاموش ہوگیا۔ شام کے وقت اس کے ابا نے حمید کو بھی بلایا اور پھر اسکول کے دو ایک ایسے لڑکوں کو بھی جو جاوید اور حمید کے دوست تھے۔ ان سے بات کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اصغر نے یہ سب جھوٹ کہا ہے۔ کسی بات پہ اس کی حمید سے لڑائی ہوگئی تھی اور اس نے جاوید اور حمید میں پھوٹ ڈالنے کے لئے ایسی غلط باتیں جاوید سے کہیں۔

اس پر جاوید کے ابا نے اس سے کہا کہ "دیکھا بیٹا! خدا کے اس حکم پہ عمل نہ کرنے سے کتنا نقصان ہوا۔ اب جب کہ تمہیں معلوم ہوگیا ہے کہ حمید نے کوئی ایسی بات نہیں کہی تھی۔ تمہیں چاہیئے کہ تم اس سے معافی مانگو" چنانچہ جاوید نے حمید سے معافی مانگی اور آئندہ کے لئے وعدہ کیا کہ وہ جب تک کسی بات کی تحقیق نہیں کر لیا کرے گا اس پر یقین نہیں کرے گا۔ پھر جاوید اور حمید دونوں خوشی خوشی کمرے میں کھیلنے لگے۔ (سہائی جان)